Qur'ānic Approaches to the Study of Religions and Their Importance in the Contemporary Era

Riaz Ahmad Saeed[*]
Muhammad Ajmal Farooq[*]

ABSTRACT

The Study of Religion has been one of the most stimulating activities in different ages of the human history. The Qur'ān, being the ultimate source of knowledge for Muslims, has also discussed various aspects of some of the significant religions of the world. It criticizes those beliefs and practices which are not in line with the divine message, while affirming those which are commendable in the eyes of God. It also guides Muslims on how to approach religion as a worldwide phenomenon. This article is an attempt to articulate the Qur'ānic view of

[*] Lecturer, National University of Modern Languages (NUML), Islamabad. (drriazahmadsaeed@gmail.com)

[*] Lecturer, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad. (ajmal.farooq@iiu.edu.pk)

religion along with highlighting it various approaches to the phenomenon of religion.

مطالعۂ ادیان کا قرآنی منہاج اور اس کی عصری معنویت

ریاض احمد سعید ۞
محمد اجمل فاروق ۞

تمہید

تاریخی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ مذہب کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود انسان، یعنی انسانی معاشرہ اور مذہب لازم و ملزوم ہیں ۔ اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے مطالعۂ ادیان کو منظم کرنے اور بھرپور طریقے سے پیش کرنے میں ایک اہم علمی کردار ادا کیا ہے۔ قرآن مجید علوم و افکار کا بیش بہا خزانہ ہے لہٰذا بہت سے مسلمان اہلِ علم نے قرآن مجید کو مطالعۂ ادیان پر پہلی باقاعدہ کتاب قرار دیا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں مختلف ادیان کی تفصیلات بیان کیں اور گاہے گاہے ان کا علمی و عملی تقابل بھی پیش کیا، خاص طور پر الہامی ادیان کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مطالعۂ ادیان میں قرآن مجید کا یہ طریقۂ کار ہے کہ وہ مختلف مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کرتا ہے تاکہ حق کو پہچاننے میں آسانی رہے۔ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ قرآن کریم نے قبل از اسلام کے مذہبی، سماجی، سیاسی، اخلاقی اور معاشی پہلوؤں پر بھی بات کی ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید عالم گیر کتاب اور قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ ہے لہٰذا اس میں باقی مذاہب کے عقائد واعمال بھی پیش کیے گئے ہیں تاکہ درست بات تک پہنچنے میں آسانی رہے۔ ڈاکٹر محمد الشرقاوی کے مطابق:

> دراسة الأديان هو علم إسلامي أصيل أبدعه واستقاه المسلمون على أسس من القرآن الكريم، وقد يفوق علماء الإسلام في ابتكارهم ودراستهم لهذا العلم عن مفكري الغرب . فبهذا المعنى يعتبر القرآن الكريم أول مصدر يقدم منهج موضوعي في مجال دراسة الأديان.[۱]

۞ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل)، اسلام آباد۔(riazussaeed@gmail.com)
۞ لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(ajmal.farooq@iiu.edu.pk)

۱۔ محمد عبداللہ الشرقاوی، "أهمية البحث في مقارنة الأديان"، مشمولہ ابو حامد الغزالی، **الرد الجميل لإلهية عيسىٰ بصريح الإنجيل** (قاہرہ: دار الهداية، ۱۹۸۶ء)، ۱۷۔

(اسلام میں تقابل ادیان کا آغاز قرآن کریم کے نزول سے ہی شروع ہوتا ہے۔ مسلم علمائے کرام نے مغربی مفکرین سے بہت پہلے اس علم کے بارے میں قرآن مجید سے ان اصول و ضوابط کو جان لیا تھا۔ تو اس لحاظ سے (مسلمان اہل علم کے ہاں) اس موضوع کے متعلق سب سے اوّلین کتاب قرآن مجید ہے۔)

قرآن مجید میں مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن پاک میں زیادہ اہتمام اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمے، مخاصمے اور مناظرے پر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ لوگ حق کے زیادہ قریب ہیں اور الہامی تعلیمات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ یہ لوگ دعوت کی راہ میں فریق اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اہلِ کتاب نے اپنے عقائد و عبادات اور مقدس کتب میں بہت ساری تبدیلیاں کر لی ہیں مگر اب بھی باقی تمام مذاہب سے زیادہ اسلام کے مشترکات اہل کتاب کے ساتھ ہی پائے جاتے ہیں؛ قرآن مجید نے مطالعۂ ادیان کے حوالے سے ان اصولوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

قرآن مجید کا ایجابی مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ قرآن مجید اور مطالعۂ ادیان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کریم میں جابجا مختلف ادیان و افکار کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر اس تحقیقی مقالے میں قرآن مجید کے منہجِ مطالعۂ ادیان اور اس کی عصری معنویت کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ آج کے دور کی ایک اہم ترین علمی ضرورت ہے، تاکہ اس سے فائدہ اٹھا کر تعلیمی اداروں میں مطالعۂ ادیان کی تحقیق و تدریس کو بہتر بنایا جا سکے اور مختلف اقلیتوں اور مذاہب کے ساتھ تعلّقات کو قرآنی اصول و ضوابط کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

حصہ اوّل: قرآن مجید کا منہج مطالعۂ ادیان

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اس کے نزول کے وقت جو ادیان عرب اور اس کے گرد پھیلی ہوئی سلطنتوں میں اپنا وجود رکھتے تھے۔ مثلاً: یہودیت، عیسائیت، وثنیت، صائبیت اور مجوسیت وغیرہ— اُس نے نہ صرف ان کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کے عقائد کو بیان کرنے میں تاریخی، منطقی، تجزیاتی اور تنقیدی مناہج بھی اختیار کیے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید[۲] نے ایک آیت مبارکہ میں چھ بڑے ادیان کا ذکر ایک ساتھ کرکے ان کا تجزیہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

۲- القرآن الکریم، اردو ترجمہ: مولانا فتح محمد خان جالندھری (لاہور: فاران فاونڈیشن، ۲۰۱۳ء)۔

هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [۳] (جو لوگ مومن (یعنی مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک۔ خدا ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ بے شک خدا ہر چیز سے باخبر ہے۔)

وقت کے ساتھ ساتھ علم کی ہر جہت نے تطوّر اختیار کیا ہے اور زمانے کے لحاظ سے اس میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسی طرح مطالعۂ ادیان کے بھی جدید دور میں مختلف مناہج وجود میں آئے ہیں۔ عصر حاضر میں مطالعۂ ادیان کی ضرورت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں محمد سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

> عصر حاضر میں اس مطالعہ کی اہمیت یوں بڑھ گئی ہے کہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں مذاہب کے مطالعہ اور مذاہب کے درمیان افہام و تفہیم کے شعبے کھل گئے ہیں اور مسلم دنیا میں بھی اس کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ حالاں کہ مغربی ممالک نے مذاہب کا مطالعہ انیسویں صدی سے کرنا شروع کیا۔ اور مکالمہ کی ابتدا بھی سیریا کے شہر حمدون سے ہوئی ہے، جس میں عیسائیوں کے مختلف اور متحارب فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مکالمہ کی داغ بیل ڈالی گئی پھر اسے دوسرے مذاہب تک پھیلا دیا گیا۔ جب کہ مسلمانوں نے بہت پہلے مطالعہ اور مکالمہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ [۴]

ا- باطل عقائد کا رد

عصر حاضر میں مطالعۂ ادیان کی روایت کو موئثر بنانے کے لیے قرآن مجید کے منہج مطالعۂ ادیان کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اس حوالے سے جن بنیادی اسالیب پر قرآن کریم نے مختلف مذاہب، ان کے عقائد اور افکار کا تجزیہ و تنقید کی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

الف۔ شرک کا رد

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کا معاشرہ ایک مشرکانہ معاشرہ تھا۔ کفار مکہ ہر قسم کا شرک کرتے تھے، بالخصوص وہ شرکِ الوہیت میں ملوث تھے۔ یعنی وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اس کی خدائی اور اس کائنات کو چلانے میں شریک ہے۔ قرآن مجید نے اس باطل دعوے کو کئی بار بیان کیا اور اس کا رد پیش کیا ہے: ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [۵] (اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور

۳- القرآن، ۲۲: ۱۷۔

۴- محمد سعود عالم قاسمی، **مطالعۂ مذاہب کی اسلامی روایت** (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)، ۱۷۔

۵- القرآن، ۱۰: ۱۸۔

کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔)

جب کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: "قومِ نوح کے پانچ بُت دراصل قومِ نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مَر گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں سے کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ ان کو ان کے ناموں ہی سے موسوم کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی حتیٰ کہ جب یہ (مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے لا علمی اور جہالت کی بنا پر ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔"[۶]

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں ان کے اس باطل دعوے کو یوں رد فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾[۷] (کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ وہ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔)

ایک دوسری جگہ پر اس کا جواب یوں دیا: ﴿اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ؕ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[۸] (کیا یہ (مشرک) کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں تو کافر تو خود داؤ میں آنے والے ہیں۔ کیا خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ خدا ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔)

ب۔ عقیدہ ثنویت

یہ عقیدہ زرتشتوں کا ہے جس کے مطابق دنیا میں دو خدا ہیں۔ ایک خیر کا خدا (یزداں) اور دوسرا شر کا خدا (اہرمن)؛ ان دونوں میں ہر وقت جنگ جاری رہتی ہے۔ اہل مجوس کے لیے اس عقیدے پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾[۹] (اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے۔ تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔)

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ (ریاض: دار السلام، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء)، ۸۷۵، رقم: ۴۹۲۰۔

۷۔ القرآن، ۱۱۲: ۱-۴۔

۸۔ القرآن، ۵۲: ۴۲-۴۳۔

۹۔ القرآن، ۱۶: ۵۱۔

قرآن مجید نے اس عقیدے کے رد میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کی ہے جو شرک کے خلاف عقل کے استعمال کرنے اور پھر اس سے نتائج اخذ کرنے کی طرف ا شارہ کرتی ہے۔ارشاد فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[۱۰] (اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہوجاتے۔جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خداے مالک عرش ان سے پاک ہے۔)

ج۔ عقیدہ تثلیث

یہ عقیدہ اہل کتاب میں سے مسیحیوں کا ہے کہ دنیا میں ایک نہیں بلکہ تین خدا ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے مسیحی علما عجیب و غریب توجیہات پیش کرتے ہیں ۔وہ اس بات پر بہ ضد ہیں کہ "تین" ایک ہے اور "ایک" تین ہیں، یہ تینوں اقانیم مل کر ایک خدا بناتے ہیں جو کہ ایک خداوند ہے۔

قرآن کریم نے اس عجیب و غریب دعوے کا رد بڑی تفصیل سے کیا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[۱۱] (وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے، حالاں کہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔)

قرآن مجید نے ایک فکری تجزیہ کرنے کے بعد ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو ایک خدا کی طرف دعوت دی، پھر عقیدۂ توحید کے ثمرات سے بھی آگاہ کیا تاکہ راہِ حق کو قبول کرنا انھیں فائدہ دے۔ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾[۱۲] (اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین ہیں۔(اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔)

۱۰– القرآن،۲۱: ۲۲۔

۱۱– القرآن،۵: ۷۳۔

۱۲– القرآن،۴: ۱۷۱۔

قرآن مجید نے بڑے واضح اور سہل انداز میں تثلیث کے ماننے والوں کو ایک خدا کی طرف بلایا ہے۔یہ وہ دعوت ہے جو کہ تمام الہامی کتب اور صحیفوں میں موجود ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسی علیہ السلام کی زبانی بھی اس دعوت کا اقرار کروایا ہے۔کتابِ مقدس[۱۳] (بائبل)[۱۴] کی بے شمار آیات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

د- روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ

یہ آج کل کے ہندوؤں اور دیگر مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ روح اور مادہ قدیم ہیں۔قرآن کریم نے اس کا بھی رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کائنات میں سب کچھ حادث ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ سب کچھ بنایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے رزق کا ذمہ دار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ [۱۵] (سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔انصاف کے دن کا حاکم۔(اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔)

قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اس مسئلے کی یوں وضاحت کی گئی ہے:﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[۱۶] (وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔)

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز کو فانی قرار دیا گیا ہے:﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾[۱۷] (جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔

۱۳- بائبل عہد نامہ قدیم میں ہے: "پس آج کے دن جان اور اپنے دل میں غور کر کہ خداوند ہی خدا ہے جو اُوپر آسمان میں ہے اور نیچے زمین میں ہے اور یہ کہ اُس کے سوا کوئی نہیں" (استثناء، ۴: ۳۹)۔ جب کہ بائبل عہد نامہ جدید میں بیان کیا گیا ہے: "یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔اور تُو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔" (مرقس، ۱۲: ۲۹)۔

۱۴- **بائبل** (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۸ء)۔

۱۵- القرآن، ۱: ۱-۴۔

۱۶- القرآن، ۵۷: ۳۔

۱۷- القرآن، ۵۵: ۲۶-۲۷۔

اور تمھارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی۔)

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:"كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ."[١٨] (اللہ اس وقت بھی تھا جب کچھ بھی (موجود) نہیں تھا۔)

مندرجہ بالا دلائل وحقائق بتاتے ہیں کہ روح ومادے کی ابدیت کا عقیدہ بے اصل اور من گھڑت ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہی قدیم ہے، باقی سب کچھ حادث اور جدید ہے۔ یہ سارا جہاں اسی ذات مبارکہ کا پیدا کردہ ہے اور اسی کے حکم سے ختم ہونے والا ہے۔ سب سے پہلے بھی وہی ذاتِ مبارکہ تھی اور آخر میں بھی وہی ذاتِ مبارکہ رہنے والی ہے۔

۵۔ عقیدۂ حلول

یہ عقیدہ بھی مختلف مذاہب میں پایا جاتا ہے جس کی مختلف جہتیں ہیں؛ ہر جہت کے اعتبار سے یہ عقیدۂ توحید کے متضاد ہے۔ اس عقیدے کے مطابق خدا انسانوں اور دیگر مخلوقات میں حلول کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اس عقیدے کا رد فرمایا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝﴾[١٩] (خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا... فَهوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَه فَوْقَ الْعَرْشِ."[٢٠] (بے شک اللہ تعالیٰ نے لکھا جو کچھ لکھا۔۔۔اور وہ اس کے ہاں عرش پر محفوظ ہے۔)

جب کہ امام مالک نے اس کی بڑی خوب صورت تشریح فرمائی ہے:"الاستواء معلوم

١٨۔ بخاری، **الجامع الصحيح**، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ، رقم:٣١٩١۔

١٩۔ القرآن، ٢٠: ۵۔

٢٠۔ بخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ، رقم:٧۵۵۴۔

والكيف مجهول والسؤال عنه بدعة والإيمان به واجب."[۲۱] (اللہ تعالیٰ کا استوا معلوم ہے۔ اور وہ کیسے مستوی ہے یہ بات غیر معلوم ہے۔اس کی کیفیت کے بارے میں سوال بدعت ہے۔جب کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔)

امام معمر بن احمد الاصبہانی اس بارے میں فرماتے ہیں :

وأنّ الله عزّ وجلّ استوى على عرشه بلا كيف ولا تشبيه ولا تأويل، فالاستواء معقول، والكيف فيه مجهول، والإيمان به واجب، والإنكار له كفر... وأنّه جلّ جلاله بائن من خلقه والخلق بائنون منه، فلا حلول ولا ممازجة ولا اختلاط ولا ملاصقة، لأنّه الفرد البائن من خلقه، الواحد الغني عن الخلق، علمه بكلّ مكان، ولا يخلو من علمه مكان.[۲۲]

(اللہ عزوجل اپنے عرش پر مستوی ہے۔اس بارے میں ہم کوئی کیفیت بیان نہیں کرتے، نہ کوئی تشبیہ دیتے ہیں اور نہ کوئی تاویل کرتے ہیں۔عرش پر مستوی ہونا عقل میں آنے والی بات ہے، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے... اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جُدا ہے اور مخلوق اس سے جُدا ہے۔خالق اور مخلوق کا آپس میں کوئی حلول، ملاپ، اختلاط نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، نیز وہ اکیلا اور اپنی مخلوق سے بے پرواہے۔اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں۔)

اکثر مذاہب میں عقیدۂ حلول اس صورت میں موجود ہے کہ ذاتِ خداوندی انسانوں میں یا مختلف ارواح میں حلول کرگئی ہے، مگر قرآنِ مجید نے اس نظریے کو غلط قرار دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ذاتِ خداوندی الگ ہے جب کہ باقی کائنات الگ ہے۔یہ تو ممکن ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اس نور کی گواہ اور شاہد ہو سکتی ہے، مگر روح اور مادہ ایک نہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات قدیم اور ازلی ہے جب کہ باقی تمام موجودات حادث اور مٹنے والی ہیں۔

و– ابنیت کا عقیدہ

یہ عقیدہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کا تھا۔یہود حضرت عزیر عَلَیْہِ السَّلَام کو جب کہ نصاریٰ،

۲۱– عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر، **الأثر المشهور عن الإمام مالك رحمه الله في صفة الاستواء** (مدینہ: الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، ۲۰۰۰ء)، ۱۲۔

۲۲– ابی القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل، **الحجة في بيان المحجة وشرح عقيدة أهل السنّة**، تحقیق: محمد بن ربیع بن ہادی عمیر المدخلی (سعودی عرب: دار الراية، ۱۴۱۱ھ)، ۱: ۲۴۸– ۲۴۹۔

حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کے بیٹے کہتے تھے۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اولاد قرار دیتے تھے۔ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾[۲۳] (اور یہود کہتے ہیں کہ عُزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے یہ بھی انھیں کی ریس کرنے میں لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے۔ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔)

یہود و نصاریٰ نے بھی پہلی کفار قوموں کی طرح اللہ کی ذات کے بیٹے بنا دیے ، اللہ کی حیثیت و کیفیت کے جو نظریات کفار کے ہاں پائے جاتے تھے یہود و نصاریٰ بھی ان نظریات سے متاثر ہوئے اور شرک کرنا شروع کر دیا۔ اللہ نے جن انبیاعلیہم السلام کو اُن کی ہدایت کے لیے بھیجا انھوں نے اُنھیں اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ واضح طور پر سابقہ آیت میں دلیل کے ساتھ اُن کی تردید کی گئی ہے کہ انھوں نے سابقہ کفار قوموں سے متاثر ہوکر اپنے صحیح توحید والے نظریات کو ترک کر دیا۔ جیسے وہ کفار خدا کی ذات کے بارے اِبنیت کا عقیدہ رکھتے تھے اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اس آیت میں ایک تو سابقہ ادیان کے عقائد کی تفصیل پتا چلتی ہے، پھر یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ اِبنیت اور اس کا رد واضح ہوتا ہے۔

﴿لم یلد ولم یولد﴾ کی آیت مبارکہ سے بھی اَب اور اِبنیت دونوں کا انکار ہو جاتا ہے ، مگر انکار کے بعد باری تعالیٰ کا اثبات بھی مختلف آیات بینات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ حق کی جہت بھی واضح ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾[۲۴] (خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔)

ایک اور مقام پر مشرکین مکہ کے دعوے کو اس طرح بیان فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝

۲۳۔ القرآن، ۹: ۳۰۔

۲۴۔ القرآن، ۱۹: ۳۵۔

﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ [۲۵] ((مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔)

اس آیت میں استفہامِ انکاری کی صورت میں مشرکینِ مکہ کے عقیدے کا رد کیا گیا ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ خدا کے لیے بیٹیوں کے قائل بھی تھے جو کہ اسلام کی رو سے ایک باطل عقیدہ ہے۔

ز۔ عقیدۂ کفارہ

یہ مسیحیوں کا اہم ترین عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے پر رحم کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ گناہ گار اور ظالم کو معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی لازمی صفت انصاف کے خلاف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے پیارے بیٹے یسوع مسیح کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے میں صلیب پر چڑھا دیا۔ اب جو کوئی بھی حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلَام پر ایمان لائے گا وہ جتنے مرضی گناہ کرے نجات پائے گا۔[۲۶] مگر یہ عقیدہ کئی اعتبار سے غلط، ناقص اور تناقضات سے بھرپور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بھرپور رد فرمایا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ بات خود انصاف کے خلاف ہے کہ ایک بے گناہ کو کسی گناہ گار کے بدلے میں صلیب پر چڑھا دیا جائے، پھر اللہ کی ذات کے ساتھ ایسی بے انصافی کو جوڑنا عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ [۲۷] (اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بلائے

۲۵۔ القرآن، ۵۳: ۲۱-۲۲۔

۲۶۔ مسیحی علمِ عقائد میں کفارے کا عقیدہ یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں: ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا؛ دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔ دیکھیے:
"Atonement" in *Encyclopedia Britannica*, ed. Robert Maynard Hutchins (Chicago: Encyclopedia Britannica Inc., 1985), 1: 680.

۲۷۔ القرآن، ۳۵: ۱۸۔

تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔(اے پیغمبر ﷺ) تم انھی لوگوں کو نصیحت کرسکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں۔اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے۔اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

دوسرا رد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس زندہ اٹھا لیا تھا۔یہ آیت مبارکہ تفصیل سے اس سارے واقعہ کو بیان کرتی ہے:﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾ [۲۸] (اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو، جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے، قتل کردیا ہے۔ (خدا نے ان کو بچالیا) اور انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔اور انھوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔)

یہ بات غور طلب ہے کہ جس طرح عقیدۂ کفارہ اور عقیدۂ تثلیث مسیحیوں کے ہاں بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نے بھی ان پر بہت تنقید کی ہے اور ان کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ح۔ عقیدۂ مصلوبیت ورفع آسمانی

عقیدۂ مصلوبیتِ مسیح [۲۹] اور عقیدۂ رفع آسمانی مسیح کا شمار بھی مسیحیت کے معروف عقائد میں ہوتا ہے اور اس پر باقی بہت سے عقائد کی بنیاد رکھی گئی ہے۔تقریباً تمام مسیحی فرقے [۳۰] اس پر ایمان رکھتے ہیں۔اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر مصلوب ہوگئے۔ پھر وہ اپنے مصاحبین، یعنی

۲۸۔ القرآن، ۴: ۱۵۷۔ ۱۵۸۔

۲۹۔ اس عقیدے کے مطابق جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور انھیں زندہ سلامت اپنے پاس بلالیا اور وہ قیامت کے دن دوبارہ تشریف لائیں گے۔

۳۰۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ عیسائیت کا متفقہ عقیدہ کسی دور میں بھی نہیں رہا۔ مواحدین، اپالی نیرین، ملکانیہ اور بعض دیگر فرقے اس عقیدے کو نہیں مانتے۔ دیکھیے: ساجد میر، **عیسائیت: تجزیہ ومطالعہ** (لاہور: مکتبہ دار لسلام، س۔ن)، ۱۶۱۔

حواریوں، سے ملتے رہے اور قرب قیامت دوبارہ تشریف لائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد مسیحی عقیدے کے لحاظ سے کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾[۳۱] (پھر گروہوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا تو کافروں کے لیے خرابی ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔)

معروف مفسر علی بن محمد بن ابرہیم الخازن لکھتے ہیں:

اس واقعے کے بعد عیسائی چار بڑے فرقوں میں تقسیم ہو گئے: (۱) یعقوبیہ۔ (۲) ملکانیہ۔ (۳) نسطوریہ۔ (۴) مرقوسیہ۔ ہر فرقے نے اپنے تئیں حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے الگ عقیدہ اختیار کر لیا۔ یعقوبیہ اور ملکانیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہا اور نسطوریہ نے بھی اسی کو اختیار کر لیا، جب کہ مرقوسیہ فرقے کا عقیدہ تھا کہ وہ تین میں سے تیسرے ہیں، مزید اس کی وضاحت میں بھی ان میں اختلاف تھا، بعض تین اُقْنُوم (یعنی وجود) مانتے تھے اور کہتے تھے کہ باپ، بیٹا، روحُ القدس تین ہیں اور باپ سے ذات، بیٹے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روحُ القدس سے ان میں حلول کرنے والی حیات مراد لیتے تھے گویا کہ اُن کے نزدیک اِلٰہ تین تھے اور اس تین کو ایک بتاتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناسُوتیّت (یعنی انسانیت) اور اُلُوھیّت کے جامع ہیں، ماں کی طرف سے اُن میں ناسوتیت آئی اور باپ کی طرف سے الوہیت آئی ﴿عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے پاک اور بہت ہی بلند و بالا ہے (یہ فرقہ بندی عیسائیوں میں ایک یہودی نے پیدا کی جس کا نام بُولَس تھا، اُس نے اُنھیں گمراہ کرنے کے لیے اس طرح کے عقیدوں کی تعلیم دی)۔[۳۲]

جب کہ کچھ دیگر معروف مفسرین نے مزید کچھ فرقوں کا ذکر کر کے ان کو مومن قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام نسفی نے **مدارك التنزيل وحقائق التأويل** میں الملکانیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، مخلوق ہیں اور نبی ہیں۔[۳۳] جب کہ مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے **خزائن العرفان** میں بھی تین فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان میں سے الملکانیہ فرقہ مومن تھا۔[۳۴]

۳۱۔ القرآن، ۱۹: ۳۷۔

۳۲۔ علاءالدین علی بن محمد ابرہیم الخازن، **تفسیر الخازن**، مترجم: محمد اسماعیل قادری، (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۴۵۔

۳۳۔ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، **مدارک التنزیل و حقائق التاویل المعروف تفسیر المدارک للنسفي**، مترجم: مولانا شمس الدین (لاہور: مکتبۃ العلم، س۔ن۔)، ۲: ۳۶۷۔

۳۴۔ نعیم الدین مراد آبادی، **خزائن العرفان** (دہلی: مکتبۃ المدینہ، س۔ن۔)، ۳: ۵۷۴۔

اس بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوے عصرِ حاضر کے ایک عالم دین پروفیسر ساجد میر نے اپنی کتاب **عیسائیت: تجزیہ و مطالعہ** میں لکھا ہے:

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں تحریکِ اصلاح کلیسا کے انتہائی اثر کے طور پر عقلیت (Rationalism) اور تجدد (Modernism) کی تحریکیں بھی شروع ہوئیں جن کے علم بر داروں نے یا تو عیسیٰ علیہ السلام، بائبل اور عیسائی نظریات کا سرے سے انکار ہی کر دیا، اور یا بائبل کے بعض مندرجات کی جدید تقاضوں کے مطابق تشریح و تعبیر کی کوشش کی، مگر جہاں تک عیسائی عقائد کو پولسیت اور اس کے مشابہ نظریات سے پاک کرنے کا سوال ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں کوئی خدمت سر انجام نہیں دی۔ البتہ ان ساری تحریکات کے نتیجہ میں اور کچھ آزادانہ سوچ کے طفیل سولھویں صدی سے ایک قلیل گروہ ایسے عیسائی علما اور عوام کا بھی پیدا ہوا جنھیں موحدین (Unitarians) کہا جاتا ہے۔ انھوں نے مسیح کی خدائی کا انکار کر کے ان کی انسانی حیثیت پر زور دیا۔ روح القدس کو بھی خدائی کے تخت سے اتارا اور تثلیث کی بجائے توحید کا پرچار کیا۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے عیسائیت کی اصلی بنیادوں کو پہچاننے کی بڑی حد تک کوشش کی ہے اور اس کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ (۳۵)

جہاں تک اس عقیدے کے دوسرے حصے یعنی رفع آسمانی کا تعلق ہے، قرآن مجید نے اس عقیدے کی نہ صرف تصدیق کی ہے بلکہ احادیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔ لیکن پہلے عقیدے کو قرآن و احادیث دونوں میں غلط قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾ (۳۶)

(اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو اللہ کا رسول تھا، اور انھوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے، اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اس کو قتل نہیں کیا، بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ زبر دست حکمت والا ہے۔)

خود بعض مسیحی علما ان من گھڑت عقائد کو ماننے سے انکار کرتے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک معروف نام واکر (Williston Walker) کا ہے؛ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

[L]ogos Christology ... was not wholly regarded with

۳۵- میر، **عیسائیت**، ۱۲۸۔

۳۶- القرآن، ۴: ۱۵۷۔۱۵۸۔

> sympathy by the rank and file of believers ... Tertullian says significantly of his own time (213-218): "...The majority of the believers are startled at the dispensation of the three in one, on the ground that their very rule of faith withdraws them from the words plurality of gods to the one only True God."[37]

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریۂ کلام کو عام عیسائی ہم دردی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ طرطلین نے اپنے زمانہ (۲۱۳– ۲۱۸) کے بارے میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ عیسائیت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت "ایک میں سے تین" کے نظریے پر چونک پڑتی ہے، کیوں کہ ان کا قاعدۂ ایمان انھیں خداؤں کی کثرت سے ایک سچے خدا کی طرف بلاتا ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾[۳۸] (اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تونے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو تم معبود بنالینا؟ وہ جواب دیں گے کہ تیری ذات پاک ہے، مجھے جس بات کے کہنے کا حق نہ تھا میں کیسے کہہ دیتا؟ اگر میں نے کہا ہو تو، تو خوب اچھی طرح جانتا ہے، میرے دل کی باتیں تجھ پر بہ خوبی روشن ہیں، ہاں تیرے جی میں جو ہے وہ مجھ سے مخفی ہے، تو تو تمام تر غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔)

جب کہ موجودہ بائبل[۳۹] بھی توحید کے حوالے سے بڑی واضح ہے۔ اس حوالے سے ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں: "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"[۴۰] "تیری بادشاہی، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو۔"[۴۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن عظیم الشان تعلیمات کا ذکر قرآن کریم نے بہ طور خاص کیا ہے، ان میں قرآن

37– Williston Walker, *A History of the Christian Church* (Edinburgh: T& T Clark, 1949), 71.

۳۸– القرآن،۵: ۱۱۶۔

۳۹– **بائبل: کنگ جیمس ورژن** (تھامس نیلسن بائبل،۱۸۹۷) اردو ترجمہ (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی،۱۹۶۲ء)۔

۴۰– متی، ۴: ۱۰۔

۴۱– متی، ۶: ۱۰۔

مجید ایک طرف تو ان کی عظمت و رفعت کو اجاگر کرتا ہے، تاکہ ان کے متعلق یہودیوں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا قلع قمع ہو اور دوسری طرف ان لوگوں کی شدید مذمت کرتا ہے جنھوں نے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا۔ قرآن مجید سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی صاف ستھری تعلیمات کا بار بار حوالہ دیتا ہے، جن سے عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت کی بہ خوبی وضاحت ہوتی ہے۔

ط- عقیدۂ تناسخ

یہ عقیدہ ہندوؤں اور بعض دیگر مذاہب کے پیروں کاروں کا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ گناہ گار کو معاف نہیں کرتا بلکہ گناہوں کی سزا کے طور پر ایک گناہ گار کو مخلوقات کی مختلف اقسام میں تبدیل ہو کر دوبارہ دنیا میں آنا پڑتا ہے، جب کہ نیکو کار کو کسی اچھی شکل میں دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ عقیدۂ تناسخ[۴۲] کو آواگان اور جونی چکر بھی کہا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق اچھے انسان اچھی شکلوں میں جب کہ برے انسان بری شکلوں میں لوٹ کر دوبارہ اس دنیا میں واپس آتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق اس دنیا سے جانے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں ہے بلکہ ہر انسان اپنے عمل کے مطابق سزا و جزا لے کر مستقل وہاں پر رہے گا۔ اچھے اعمال کے بدلے اچھی جزا ملے گی جب کہ برے اعمال کے بدلے سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عقیدے کا مکمل رد فرمایا ہے: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾[۴۳] ((یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں۔ یہ ایک ایسی بات

۴۲- عقیدۂ تناسخ کا مطلب روح کا ایک قالب سے دوسرے قالب میں منتقل ہونا ہے۔ یعنی ایک بار موت کے بعد وہ مرنے والی شخصیت انسان ایک مرتبہ پھر تجسیم حاصل کرلیتا ہے۔ انگریزی میں اسے Reincarnation کہتے ہیں۔ تناسخ کا نظریہ حیات بعد از ممات سے بالکل ایک الگ تصور ہے۔ تناسخ کا نظریہ ہندوستانی مذاہب(Indian Religions) میں جب کہ حیات بعد از ممات کا نظریہ عام طور پر ابراہیمی ادیان میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ خیال کہ مرنے کے بعد روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے —خواہ وہ کسی آدمی کا بدن ہو یا کسی جانور کا— بالکل ہی باطل اور اس کا ماننا کفر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیے: **فتاویٰ عالمگیری**، مترجم: سید امیر علی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۲ء)، ۳: ۴۳۴۔

۴۳- القرآن، ۲۳: ۹۹- ۱۰۰۔

ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہو گا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہو گا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، (رہیں گے))۔

انسان کا وجود کسی بھی شکل میں دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا ، قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس کی نفی کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ مشرکین مکہ بھی حیات بعد از ممات کے انکاری تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہ طور خاص بیان کیا کہ تمھیں مرنے کے بعد اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہو گا جو تم نے دنیا کی زندگی میں کیے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ تمھیں کبھی واپس نہیں بھیجے گا۔

ی- عقیدۂ الحاد

مذہب ہر دور میں انسانوں کی بنیادی ضرورت رہا ہے مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہمیشہ سے رہے ہیں جو کسی مذہب پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن مجید نے عقیدۂ الحاد کو بھی نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ اس کے رد کے لیے دلائل بھی دیے ہیں۔ معروف اسلامی سکالر محمد عبدالستار نصّار لکھتے ہیں: ”قد ورد عقائد الدهريين والملحدين في القرآن الكريم وردهم أيضا، والملحدون هم الذين ينكرون وجود الله جل وعلا ويوم الآخرة.“[۴۴] (قرآن پاک میں ملحدین اور دہریوں کے عقائد بھی بیان کیے گئے ہیں اور ان کا رد بھی۔ملحدین وہ ہیں جو اللہ رب العزت کے وجود اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾[۴۵] (اور وہ کہتے ہیں : ہماری دنیوی زندگی کے سوا (اور)کچھ نہیں ہے ہم (بس) یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے (حالات و واقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا، اور انھیں اس (حقیقت) کا کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ صرف خیال و گمان سے کام لے رہے ہیں۔)

سائنس کی موجودہ ترقی نے انسان کے ذاتی ظن و تخمین کے دائرے اتنے زیادہ بڑھا دیے ہیں کہ وہ اپنی عقل و خرد کی بنیاد پر مذہب اور خدا کا انکاری ہو گیا ہے، جس سے یوں لگتا ہے کہ انسان کی یہ

۴۴- محمد عبدالستار نصّار، **العقيدة الإسلامية أصولها و تاويلاتها** (قاہرہ : دارالهدى للطباعة،۱۹۸۲ء)، ۱۰۶۔

۴۵- القرآن، ۴۵: ۲۴۔

روش دور جدید کی پیداوار ہے، جب کہ ایسا ہر دور میں ہوا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت بھی اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ پھر یہ خطاب ہر اس انسان کے لیے ہے جو الحاد و دہریت کا شکار ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے ان گروہوں کی نشان دہی ہوتی ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور وقت کو ہی سب کچھ تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ وحی کی عالم گیریت وعمومیت

اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام مبعوث فرمائے اور وہ سب کے سب وحیِ الٰہی کے حامل تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس حوالے سے فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾[۴۶] (ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔ اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔)

قرآن مجید سابقہ انبیا علیہم السلام پر نازل ہونے والے صحائفِ وحی کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر الہامی کتابوں اور صحفِ سماویہ کا ذکر بھی فرمایا ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝﴾[۴۷] (یہ بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔)

اس تفصیل سے یہ بات بڑی آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کوئی پہلی کتاب نہیں ہے بلکہ اس وحی کا تسلسل ہے جو تمام انبیا علیہم السلام پر نازل ہوتی رہی ہے۔ البتہ قرآن مجید اس تسلسل کی آخری کڑی ہے اس کے بعد وحی کا سلسلہ مکمل ہو گیا ہے۔ قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ لہٰذا اب وحی الٰہی کا یہ آخری صحیفہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے جو دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہیں۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے قرآن مجید صحیفہ خداوندی کے طور پر باقی ہے۔

۴۶۔ القرآن، ۳۵: ۲۴۔

۴۷۔ القرآن، ۸۷: ۱۸۔ ۱۹۔

۳۔ پیغمبروں پر الزامات کا جواب

اہل کتاب: یہود ونصاریٰ نے مختلف انبیاعلیہم السلام پر ایسے گندے اور گھٹیا الزامات عائد کیے ہیں جس سے ان کی پاک دامنی اور اخلاقی حیثیت متاثر ہونے کا خطرہ تھا؛ قرآن مجید نے ان تمام الزامات کو غلط قرار دیا اور ان کا رد بڑی تفصیل اور دلائل سے کیا ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾[۴۸](اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب ان کی قوم نے جسمانی معذوری کا الزام عائد کیا تو قرآن مجید نے اس کا بھرپور دفاع کیا اوراس کا کما حقّہ جواب دیا، اور انھیں ہر قسم کے جسمانی عیب سے مبرا قرار دیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾[۴۹] (مومنو تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ (کو عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو خدا نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔اور وہ خدا کے نزدیک آبرو والے تھے۔)

بعض احادیث مبارکہ میں بھی اس واقعہ کی کچھ تفصیلات موجود ہیں۔جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سیدنا موسی علیہ السلام کی شرم و حیا کے بارے میں فرمایا:

إن موسى كان رجلا حييا ستيرا لا يرى من جلده شيء استحياء منه فآذاه من آذاه من بني إسرائيل، فقالوا: ما يستتر هذا التستر إلا من عيب بجلده إما برص وإما أدرة وإما آفة وإن الله أراد أن يبرئه مما قالوا لموسى: فخلا يوما وحده فوضع ثيابه على الحجر ثم اغتسل فلما فرغ أقبل إلى ثيابه ليأخذها وإن الحجر عدا بثوبه فأخذ موسى عصاه وطلب الحجر فجعل يقول: ثوبي حجر ثوبي حجر حتى انتهى إلى ملإ من بني إسرائيل فرأوه عريانا أحسن ما خلق الله وأبراه مما يقولون، وقام الحجر فأخذ ثوبه فلبسه وطفق بالحجر ضربا بعصاه فوالله إن بالحجر لندبا من أثر ضربه ثلاثا أو أربعا أو خمسا.[۵۰]

۴۸۔ القرآن، ۱۹: ۴۱۔

۴۹۔ القرآن، ۳۳: ۶۹۔

۵۰۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام، رقم: ۳۴۰۴۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی شرم والے تھے۔ ان کی حیا کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انھیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے' انھوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ بدن چھپانے کا اہتمام اس لیے ہے کہ ان کے جسم میں عیب ہے یا کوڑھ ہے یا ان کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا پھر کوئی اور بیماری ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ہفوات سے مبرّا دکھلائے۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لیے آئے اور ایک پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیے۔ جب فارغ ہوئے تو کپڑے اٹھانے کے لیے بڑھے لیکن پتھر ان کے کپڑوں سمیت بھاگنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: پتھر! میرا کپڑا دیدو۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے اور ان سب نے آپ کو ننگا دیکھ لیا، اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر حالت میں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت سے براءت کر دی۔ اب پتھر بھی رک گیا اور آپ نے کپڑا اٹھا کر پہنا۔ پھر پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے تین یا چار یا پانچ جگہ نشان پڑ گئے تھے۔)

بعض علما کا خیال ہے[۵۱] کہ موجودہ بائبل میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو انبیا علیہم السلام کے مسلمہ عفّت وعصمت کے خلاف ہیں۔ کچھ علما تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس وقت مغرب میں جو انبیا علیہم السلام کی اہانت کے پے درپے واقعات ہو رہے ہیں ان کے پیچھے ان تعلیمات کا بھی اثر ہو سکتا ہے۔ یہاں ۲۰۱۰ء میں قرآن کو جلانے کی کوشش کو بہ طور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ مولانا امیر حمزہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

امریکہ میں ہر سال نائن الیون کے حادثے میں جان ہارنے والوں کی یاد میں ایک دن منایا جاتا ہے۔ ۲۰۱۰ء میں جب نائن الیون کی برسی کا دن قریب آرہا تھا تو امریکہ کی ایک ریاست فلوریڈا کے ایک پادری نے انٹرنیٹ پر ایک پروگرام لانچ کیا کہ اس بار ہر شخص قرآن جلا کر نائن الیون کی برسی منائے۔ چرچ کے اس پادری کا نام ٹیری جونز (Terry Jones) ہے۔ اس کے ساتھ بہت سارے لوگ شامل ہو گئے۔ دنیا بھر میں ایک شور اٹھا۔ انصاف پسند مسیحیوں نے بھی اس اقدام کی مخالفت کی۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور احتجاج کیا۔ امریکی صدر نے بھی اس فعل کی حوصلہ شکنی کی۔ الغرض یہ واقعہ اجتماعی طور پر واقع نہ ہو سکا اور پادری نے اپنا مذموم ارادہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا، تاہم کئی لوگوں نے اس کے باوجود امریکہ میں قرآن کے اوراق کو پھاڑا اور جلایا بھی۔[۵۲]

۵۱- موجودہ بائبل میں عصمتِ انبیا کے خلاف بہت سارے واقعات ملتے ہیں۔ جب کہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید عصمتِ انبیا کے حوالے سے بہت ہی مختلف تصویر پیش کرتا ہے۔ یہاں پر کچھ واقعات کی طرف صرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ موجودہ بائبل میں حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابرہیم، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت یحیٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام کے خلاف ایسے واقعات موجود ہیں جو اسلامی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے عصمتِ انبیا کے خلاف ہیں۔ دیکھیے: **کتاب پیدائش**، ۸: ۶، ۱۹-۳۰۔

۵۲- امیر حمزہ، **میں نے بائبل سے پوچھا: قرآن کیوں جلے** (لاہور: دارالاندلس، ۲۰۱۱)، ۱۵-۱۶۔

اس طرح یہ اس طرف اشارہ بھی ہے کہ موجودہ بائبل انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہی کیوں کہ ایسی تعلیمات کسی بھی الہامی کتاب کا حصہ نہیں ہو سکتیں۔

حصہ دوم: مطالعۂ ادیان کے قرآنی اصول

قرآن مجید اس دنیاے رنگ و بو میں مطالعۂ مذاہب کی سب سے پہلی اور جامع ترین کتاب ہے جس نے مطالعۂ ادیان کے وہ بہترین اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر عصر حاضر میں بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور ادیان و مذاہب کے حوالے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں انھیں دور کیا جا سکتا ہے۔ ایک مقالہ نگار نے اس حوالے سے اپنے مقالے میں بڑی خوب صورت بات کی ہے: ”تقابل ادیان کے اسلوب اور طریقۂ کار کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن پاک نے رائج الوقت مذاہب کے باطل اور فاسد عقائد کا ذکر کرکے ان کے غلط نظریات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا اور یہ باور کرایا کہ ان مذاہب کی اصل تعلیمات حق، سچ اور توحید پر مبنی تھیں مگر ان کے معتقدین نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان باطل عقائد کو محلول (خلط ملط) کیا۔“[۵۳] مطالعۂ ادیان کے حوالے سے قران مجید کے چند اہم ترین اصول مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ توحید پر نسل انسانی کا اتحاد اوراس کی افادیت

قرآن مجید نے سب سے پہلے توحید کے طرف دعوت دی ہے اور انسانوں کو اس کی تاریخ بھی بتائی ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾[۵۴] (اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے۔ پھر جدا جدا ہو گئے۔ اور اگر ایک بات جو تمھارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔)

اس کے بعد قرآن مجید نے تمام انسانوں کو ان کی اصل کی طرف دعوت دی ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

۵۳۔ سعاد محمد عباس، **مولانا گیلانی کا منہج مطالعۂ ادیان اور نقطۂ نظر** (غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی اسلامیات، نمل، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء)، ۸۱۔

۵۴۔ القرآن، ۱۰: ۱۹۔

أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [۵۵] (کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ: وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

۲۔ نبوّت ورسالت کا جامع تصور

قرآن مجید کا دوسرا اہم ترین اصول "نبوت و رسالت کا جامع ترین تصور" ہے۔ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ مختلف ادوار میں جو نبی اور رسول آئے ہیں، ان سب کی تعلیمات سچی تھیں، اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی سچی تعلیمات کی حامل تھیں۔ لہٰذا ان سب پر ایمان لایا جائے اور ان کو تسلیم کیا جائے۔

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [۵۶] (اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی نازل نہیں ہوئی۔ سو (اے محمد ﷺ) تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لیے رہ نما ہوا کرتا ہے۔)

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم یہ حکم بھی دیتا ہے کہ مختلف ادوار میں جو الہامی کتب، وحی اور صحائف نازل ہوتے رہے وہ سچے اور برحق ہیں لہٰذا ان پر ایمان لایا جائے، اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے۔ ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [۵۷] (رسول ﷺ اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے)

۵۵۔ القرآن، ۳: ۶۴۔

۵۶۔ القرآن، ۱۳: ۷۔

۵۷۔ القرآن، ۲: ۲۸۵۔

عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

انبیاعلیہم السلام میں فرق نہ کرنے کی بنیادی وجہ ان کی دعوت ایک تھی؛ یہی قدر مشترک ان پر ایمان لانے کی وجہ ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾[۵۸] (اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گم راہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔)

جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشترک دعوت اور تعلق کے بارے میں فرمایا: "الأنْبياءُ إخوة لعَلَّاتٍ؛ أُمَّهاتُهُمْ شَتَّى، ودِينُهُمْ واحِدٌ"[۵۹] (انبیا آپس میں بھائی ہیں، اگرچہ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔)

یعنی اسلام نبوت کا جامع اور خوب صورت تصور پیش کرتا ہے جو کہ باقی ادیان میں نہیں پایا جاتا۔ مثال کے طور پر یہودی حضرت عیسی علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے اور مسیحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے؛ جب کہ مسلمان تمام نبیوں اور الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس مشترکہ تعلق کی بنیاد پر تمام سماوی ادیان کے پیروکاروں کو اُن ادیان میں آنے والے پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا احترام کرنا چاہیے۔

۳۔ الہامی کتب میں تحریف و تبدیلی

قرآن مجید میں ادیان عالم، بالخصوص یہودیت اور مسیحیت کے بارے میں بیان کردہ ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مختلف کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے اپنی ہواے نفس کی خاطر جو تحریف کی ہے ان تمام تحریفات کو واضح کیا جائے تاکہ اصل تعلیمات تک پہنچا جائے اور مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات بیان کیے

۵۸۔ القرآن، ۱۶: ۳۶۔

۵۹۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالى : واذكر في الكتب مريم إذا انتبذت من أهلها، رقم: ۳۴۴۳۔

جائیں۔ قرآن کریم نے اہمیت کے باعث اس موضوع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہود کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [۶۰] (اور یہ جو یہودی ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور سنیے نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفت گو کے وقت) راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اسمع اور (راعنا کی جگہ) انظرنا (کہتے) تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن خدا نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔)

جب کہ نصاریٰ کے بارے میں قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ [۶۱] (تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے، تاکہ اس کے عوض تھوڑی سے قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔)

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ تورات، انجیل، زبور اور دیگر الہامی صحائف بھی کلام اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اِن تمام الہامی کتب کا نزول اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پر کیا، لیکن قرآن کریم کی طرح اُن کتب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں اٹھایا۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں مرورِ زمانہ کے ساتھ تحریف و تبدیلی ہو چکی ہے اور اب وہ اپنی اصل زبان اور مکمل تعلیمات کے ساتھ موجود نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مسلمان اُن کتب کے اللہ کا کلام ہونے سے انکار نہیں کرتے؛ یہ ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ جو کتبِ سماویہ کا انکار کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی وحی کا انکاری ہے۔

۶۰- القرآن، ۴: ۴۶۔

۶۱- القرآن، ۲: ۷۹۔

۴۔ مکمل مذہبی آزادی کا اصول

قرآن مجید کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک ”دوسروں کو مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ جینے کا حق“ دینا ہے۔ یعنی دین اختیار کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ مسلم ریاست میں غیر مسلم بھی اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں۔ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[۶۲] (دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گم راہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔)

دین کے معاملے میں جبر کرنے پر سخت منع کیا گیا ہے، یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ کسی کو سختی کے ساتھ دین کی طرف راغب نہیں کر سکتے۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”لا تكرهوا أحدا على الدخول في دين الإسلام، فإنه بيّن واضح جليّ دلائله وبراهينه، لايحتاج إلى أن يكره أحد على الدخول فيه بل من هداه الله الإسلام و شرح صدره و نور بصيرته، دخل فيه على بنية.“[۶۳] ((یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ) کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو، اسلام کی حقانیت واضح و روشن ہو چکی ہیں، اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں۔ پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت چاہے ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہو گا، دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی، وہ تو خود بہ خود اس کی طرف کھنچا آئے گا۔)

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے اہل الذمہ[۶۴] کی حفاظت کے بارے میں فرمایا: ”مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا.“[۶۵] (جس نے کسی ذمی کو

۶۲۔ القرآن، ۲: ۲۵۶۔

۶۳۔ عمادالدین اسماعیل ابن کثیر، **تفسیر القران العظیم**، ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۳ء)، ۱: ۳۱۲۔

۶۴۔ **اہل الذمہ:** ”کلاسیکل اسلامی اصطلاح کے مطابق اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ذمی یا اہل الذمہ وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے معنی ”عہد، ضمان اور امان“ ہے۔ یہ نام انھیں اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا اللہ اور رسول کے ساتھ

(ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ حالاں کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جا سکتی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اقلیتوں کو مذہبی آزادی دینے کے لیے "میثاق مدینہ" کو ترتیب دیا تھا، جس کی ایک بنیادی شق کا مقصود یہود کو مکمل مذہبی آزادی دینا تھا: "وإنَّ يهود بني عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وأنفسهم، إلا من ظلم وأثم."[۶۶] (یہود بنی عوف اور ان کے حلفا و موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کار بند رہیں گے۔ مگر وہ جس نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔)

اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ ایلیا کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، وہ دستاویز اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے لیے مذہبی آزادی کے آئین کی حیثیت رکھتی ہے: "هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير المؤمنين أهل إيلياء من الأمان، أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم ولكنائسهم وصلبانهم، وسقيمها وبريئها وسائر ملتها، أنه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها، ولا من صليبهم، ولا من شيء من أموالهم، ولا يكرهون على دينهم، ولا يضار أحد منهم، ولا يسكن بإيلياء معهم أحد من اليهود."[۶۷] (یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر بن الخطاب امیر المؤمنین نے ایلیا والوں کو دی ہے۔ ان کی جانوں، ان کے اموال، ان کے کلیساؤں،

عہد ہوتا ہے، رہی بات مسلم جماعت کے عہد کی تو وہ اسلام کی حمایت (اسلام کی حفاظت میں)، مسلمانوں کے زیر سایہ امن اور اطمینان سے زندگی گزاریں گے، وہ مسلمانوں کے امان اور ضمان میں رہیں گے، ان کے اور مسلم ریاست کے درمیان عقد اسی ذمہ کی بنا پر ہے"۔(دیکھیے: عبدالکریم زیدان، **أحكام الذميين والمستأمنين**(دار القدس: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۹ء)، ۴۵۴۔

۶۵- بخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب الجزية، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، رقم:۳۱۶۶۔

۶۶- ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السيرة النبوية**، تحقیق: عمر عبد السلام تدمری (قاہرہ : دار الكتب العربي، ۱۹۹۰ء)، ۱: ۳۱۵۔

۶۷- محمد بن جریر الطبری، **تاریخ الطبری: تاريخ الرسل و الملوک**، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم (قاہرہ: دار المعارف، س ن)، ۳: ۶۰۹۔

ان کی صلیبوں اور ان کی ساری ملت کو امان دی گئی ہے۔ ان کے گرجوں میں کوئی نہیں رہے گا اور نہ ہی انھیں گرایا جائے گا، نہ ہی ان میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کے احاطوں کو سکیڑا جائے گا، اور نہ ان کی صلیبوں میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے اموال میں کمی کی جائے گی اور کسی کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، اور نہ کسی کو تکلیف پہنچائی جائے گی اور نہ ان کے ساتھ (جبراً) یہودیوں میں سے کسی کو ٹھہرایا جائے گا۔)

اسلامی روایات میں مذہبی آزادی کا اصول اتنا پختہ ہے کہ زبردستی مسلمان بنانا اسلامی ریاست یا معاشرے میں قابل قبول نہیں یہاں تک کہ اس شخص کی اپنی مرضی سے اسلام لانے کی تصدیق غیر جانب دار ذرائع سے ہو جائے ۔ جلیل القدر حنبلی فقیہ امام ابن قدامہ مقدسی نے اس تاریخی فتوے کا یوں ذکر کیا ہے:

وَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ لَا يَجُوزُ إِكْرَاهُهُ،...فَأَسْلَمَ، لَمْ يَثْبُتْ لَهُ حُكْمُ الْإِسْلَامِ، حَتَّى يُوجَدَ مِنْهُ مَا يَدُلُّ عَلَى إِسْلَامِهِ طَوْعًا... فَإِنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْكُفَّارِ. وَإِنْ رَجَعَ إِلَى دِينِ الْكُفْرِ، لَمْ يَجُزْ قَتْلُهُ...[۶۸]

([اسلام میں]اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زبردستی کسی کافر کو مسلمان بنایا جائے جب وہ مسلمان ہونے کو ناپسند کرے۔(ایسی حالت میں) اگر کوئی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنا لیتا ہے تو اسے اس وقت تک مسلمان شمار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ غیر جانب دار اور مصدقہ ذرائع سے اس بات کی تصدیق نہ ہو جائے کہ اس نے خود اپنی رضامندی سے اسلام قبول کیا ہے (یا پھر کسی دباؤ کی وجہ سے)... اوراگر وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر کرنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ غیر مسلم ہی شمار کیا جائے گا۔اور اگر وہ (اس دوران) اپنے آبائی دین کی طرف پھر جائے تو اسے (ارتداد میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔)

معروف مغربی مستشرق فلپ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitti) بھی اپنی معروف کتاب *History of theArabs* میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں:

> [T]hey (non-Muslims) were allowed the jurisdiction of their own canon laws as administered by the respective heads of their religious communities. This state of partial autonomy, recognized later by the Sultans of Turkey, has been retained by the Arab successor states.[69]

(غیر مسلموں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی کمیونٹی کے سربراہوں کے نظام کے تحت، اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے معاملات چلائیں۔ یہ جزوی خود مختاری، جسے بعد ازاں ترک سلاطین نے بھی تسلیم کیا، عرب جانشین ریاستوں نے بھی

۶۸– احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی، **المغني الكبير** (مصر: مكتبة القاهرة، ۱۹۸۷ء)، ۸: ۱۴۴۔

69– Philip K Hitti, *History of the Arabs* (London: MacMillan & Co., 1937), 170.

برقرار رکھا ہے۔)

عصرِ حاضر کے معروف اسلامی سکالر شیخ یوسف القرضاوی نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و فرائض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> اسلام کی جانب سے ذمیوں کو عطا کردہ حقوق میں آزادی کا حق بھی شامل ہے۔ ذمیوں کو جو آزادیاں دی گئی ہیں ان میں سرِ فہرست اعتقاد و عبادات کی آزادی ہے۔ کسی بھی دین و مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص اپنے عقیدہ پر کار بند رہ سکتا ہے اور اسے اپنا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[۷۰]

اس کے علاوہ موجودہ دور کے ایک معروف مغربی سکالر جان اینڈریو مورو (John Andrew Morrow) نے ایسے بہت سے معاہدات کو اپنی ایک کتاب [۷۱] میں جمع کر دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین نے مختلف اوقات میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کیے تھے۔

۵- دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے کے اصول

قرآن مجید نے دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے اور مباحثے کے کچھ بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں؛ اِن اصول و ضوابط سے آگاہی بھی مطالعۂ ادیان کا حصہ ہے جن کی طرف قرآن مجید نے رہ نمائی فرمائی ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی ان کے اختیار کرنے سے دیگر مذاہب اور معاشروں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے بہترین نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَھُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُھۡتَدِیۡنَ﴾[۷۲] ([اے پیغمبر] لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا تمھارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔)

قرآن کریم نے اہل کتاب کو مزید گنجائش دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ بات

۷۰- یوسف القرضاوی، **اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض**، ترجمہ: قیصر شہزاد (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۱ء)، ۲۱۔

71- John Andrew Morrow, *The Covenants of the Prophet Muhammad with the Christians of the World* (Brooklyn, Ny: Angelico Press, 2013), 21.

۷۲- القرآن، ۱۶: ۱۲۵۔

چیت میں جھگڑا مت کرو۔ ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ (۷۳) (اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (اُن کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو)۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر **معالم التنزیل** میں پہلی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھاہے: "ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ یعنی ان کو قرآن کے ساتھ بلاؤ اور وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سے مراد ان کو مواعظ قرآن کے ساتھ بلاؤ اور کہا جاتا ہے کہ موعظہ حسنہ سے مراد ان کو اللہ کی طرف ترغیب اور ترہیب کے ساتھ بلانا ہے۔ اور اسی طرح کہا گیا ہے کہ موعظہ حسنہ سے مراد قول لین ہے جو کہ طعن و تشنیع اور سختی کے بغیر ہو۔ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سے مراد ان کے ساتھ ایسے طریقے سے مجادلہ و مناظرہ کرنا ہے جو کہ بہترین ہو۔ یعنی ان کو تکلیف دینے سے بچانا ہے۔ اور ان کو حق کی طرف بلانے اور پیغام حق پہنچانے میں کمی نہیں کرنی۔" (۷۴)

مولانا مودودی دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بین المذاہب خطاب میں "مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ، مہذب و شائستہ زبان میں، اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے۔" (۷۵)

یہ آیات نہ صرف عام بات چیت کے لیے ہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے میں بھی اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کے ساتھ باہمی رواداری، پُرامن بقاے باہمی اور مثبت مکالمے کے فروغ کے لیے ان ہدایات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

۶- کلمة سواء یعنی قدر مشترک کی طرف بلانا

قرآن مجید نے ایک اور خوب صورت اصول یہ دیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مشترکہ امور کی طرف دعوت دو، ایسے معاملات اور اقدار کی طرف بلاؤ جو تیزی سے ہم آہنگی پیدا کرتے ہوں۔ اس

۷۳- القرآن، ۲۹: ۴۶۔

۷۴- ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، **معالم التنزیل**، تحقیق: عبداللہ بن احمد بن علی الزید (ریاض: دارالسلام للنشر و التوزیع، ۱۴۱۶ھ)، ۵۱۸۔

۷۵- سید ابو الاعلیٰ مودودی، ***تفہیم القرآن*** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۳ء)، ۲: ۵۷۱۔

طرح بات چیت کا آغاز کرنے اور جلد کسی نتیجے پر پہنچنے میں آسانی رہتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (۷۶)(کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان مشترک ہے، اس کی طرف آؤ؛ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (ﷺ) سے فرمایا ہے کہ آپ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دیجیے کہ تعالوا إلٰی کلمة سواء بیننا و بینکم (ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے) یعنی ایسی مشترکہ بات کی طرف آؤ کہ ہم اس کی بنیاد پر متحد ہو جائیں۔ اس سے مراد وہ بات ہے جس پر تمام انبیا و رسل کا اتفاق ہے، جس کی مخالفت سوائے گم راہ اور ضدی لوگوں کے کسی نے نہیں کی اور وہ بات فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ اختلاف کے موقع پر انصاف والی بات ہے۔

علما و مفسرین نے (کلمة سواء) کے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں، انھی میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''(کلمة سواء) کا معنی عدل و انصاف ہے... یعنی تم اسے قبول کرو جس کی طرف تمھیں دعوت دی گئی ہے۔ اور وہی کلمہ عادلہ و مستقیمہ ہے جس میں حق سے کہیں ذرا بھی دوری نہیں۔'' (۷۷)

امام سیوطی، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''اس سے مراد لا إله إلا الله ہے۔''(۷۸)

جب کہ معاصرین میں سے مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے میں یہ آیت مبارکہ اہل کتاب کو دعوت دینے کے لیے اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل قیصر روم کو

۷۶۔ القرآن، ۳: ۶۴۔

۷۷۔ محمد بن احمد قرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (بیروت :مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۶ء)، ۴: ۱۰۵۔

۷۸۔ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی، **الدرّ المنثور** (لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۱۳۵۔

دعوت دینے کے لیے اسی آیت کو اپنے خط مبارک میں لکھا تھا۔[۷۹]

حافظ عبد السلام بھٹوی لکھتے ہیں: ”اس آیت میں اہل کتاب کو تین مشترکہ باتوں کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔“[۸۰]

مولانا امین احسن اصلاحی کے مطابق ان کی رائے میں کلمة سواء سے مراد وہ مرکز ہے جو کہ دو افراد اور جماعتوں میں برابر ہے۔ان کی رائے میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ایک ایسی بات کی طرف دعوت دی ہے جو کہ اِن میں اور مسلمانوں میں معروف ہے، یعنی توحید۔[۸۱]

ان تفاسیر کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ ہماری رہ نمائی کرتی ہے کہ جب ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑے جن کا مذہب ہم سے مختلف ہو تو ہم انھیں ایسی باتوں کی طرف بلائیں جو ہم میں اور ان میں برابر اور مشترک ہیں۔یہ پہلی مشترک بات توحید سے شروع ہوگی اور اس میں امن و امان ، تعلیم و تعلم، رواداری، مذہبی ہم آہنگی، اور ملکی تعمیر و ترقی سب کچھ شامل ہوگا۔ لیکن یہ بات قابل توجہ رہے کہ اس میں دین و مذہب کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے۔

۷- باہمی احترام اور مذہبی رواداری

قرآن کریم میں مطالعۂ مذاہب کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دوسروں کے مذاہب کو برا بھلا نہیں کہنا، بلکہ ان کو پورا احترام دینا ہے۔ قرآن پاک نے مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ﴾[۸۲] (اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر نہایت اچھے طریق سے۔ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (اُن کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو)۔)

مولانا مودودی کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کے پیروکاروں کو یہ نصیحت کی گئی ہے

۷۹- مولانا غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن** (لاہور: فرید بک ڈپو، ۱۹۹۵)،۲: ۸۷۔

۸۰- حافظ عبد السلام بھٹوی، **تفسیر القرآن الکریم** (لاہور: دار الاندلس، ۲۰۱۴ء)،۱: ۲۶۵۔

۸۱- مولانا امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء)،۲: ۱۱۲۔

۸۲- القرآن،۲۹: ۴۶۔

کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ دوسروں کے عقیدے پر سخت حملے شروع کر دیں، اور نوبت ان کے معبودوں کو گالی دینے تک پہنچ جائے؛ کیوں کہ یہ چیز ان کو حق کے قریب لانے کے بجائے انھیں حق سے دور کر دے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

بحث مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ مہذب اور شائستہ زبان میں اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تا کہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے، اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفا یاب ہو جائے۔ یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہلِ کتاب سے مباحثہ کے معاملہ میں دی گئی ہے، مگر یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے۔[۸۳]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[۸۴] (اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (ان کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں۔ پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر **ضیاء القرآن** میں اس کی بڑی پر حکمت توضیح کی ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت کرنا مقصود ہے تا کہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری ستائش اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ واشاعت کے جوش میں وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی دعوت مقصود ہے تا کہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انھیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمھارے معبودِ برحق

۸۳- **تفہیم القرآن**، ۳: ۷۰۸۔

۸۴- القرآن، ۶: ۱۰۸۔

کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں۔ (۸۵)

اسی طرح مولانا شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کم زوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دل خراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی بھی وقت جائز نہیں رکھا۔"(۸۶)

یعنی یہ آیات ہمیں مذہبی رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کا درس دیتی ہیں۔ یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ ایک مذہب کی تعلیمات کو سچا ثابت کرنے کے لیے دوسروں کی تعلیمات کو بغیر ثبوت کے اور تعصب کی وجہ سے غلط ثابت کیا جائے۔ شیخ احمد دیدات لکھتے ہیں: "یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مذہب میں حق و صداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان جہاں کہیں بھی موجود ہے، اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صرف کیا جائے۔"(۸۷)

قرآن مجید کا یہ اصول عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی اور مذہبی رواداری پیدا کرنے میں نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت دوگنا ہو جاتی ہے جب کہ مذہبی اور مسلکی جھگڑوں نے امن عالم کو تباہ کر رکھا ہے۔

۸- قرآن مجید بہ طور نگہبان

قرآن مجید نے ایک اصول یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہونے کی حیثیت سے یہ باقی کتابوں پر نگران اور وکیل ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو کئی جگہوں پر مختلف انداز اور طرق سے بیان کیا ہے۔ ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾(۸۸)(اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق

۸۵- پیر محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۱: ۵۹۰۔

۸۶- مولانا شبیر احمد عثمانی، **تفسیر عثمانی** (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۰ء)، ۱: ۴۴۴۔

۸۷- شیخ احمد دیدات، **یہودیت، عیسائیت اور اسلام**، ترجمہ: مصباح اکرم (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)، ۲۹۔

۸۸- القرآن، ۵: ۴۸۔

کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمھارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔)

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی یوں تعبیر کی ہے: "تورات و انجیل کی ثنا وصفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن مجید کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق و صداقت کے ساتھ نازل کیا ہے۔ یہ بالیقین رب واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے یہ تمام اگلی اللہ کی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت و ثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی، پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔"[۸۹]

قرآن مجید وحیِ الٰہی کا آخری، جامع اور کامل ایڈیشن ہے۔ یہ ایک محفوظ ترین کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ قرآن مجید کی آیات، رسول للہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اور تاریخی حقائق اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[۹۰] (بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔)

مطالعۂ مذاہب کے حوالے سے اوپر دی گئی آیت سے ہمیں مندرجہ ذیل امور سمجھ آتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید پہلی کتابوں پر گواہ، نگران اور امین ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے پہلی کتابوں کی تصدیق کی ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید پہلی کتابوں میں سے جس چیز کی تصدیق کرے گا، مسلمان بھی اس کی لازمی تصدیق کریں گے۔

۴۔ قرآن مجید جس کی تردید کرے گا، اس کی تردید لازم ہے، کیوں کہ قرآن مجید کے مطابق پہلی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے۔

۵۔ قرآن مجید جس بات پر خاموشی اختیار کرے گا، مسلمان بھی اس پر خاموش رہیں گے یہاں تک کہ باقی قرائن سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا: آمنا بالله وما أنزل إلينا."[۹۱]

۸۹۔ عماد الدین ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ترجمہ، مولانا محمد جوناگڑھی (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۸)، ۲: ۸۱۔

۹۰۔ القرآن، ۱۵: ۹۔

۹۱۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، كتاب تفسير القرآن، باب قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا، ۵۶۲، رقم: ۳۳۸۷۔

(اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔"

۹- دین بہ طورِ مکمل ضابطہ حیات

قرآن مجید دین کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ مروجہ مذاہب سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ قرآن کریم کا پیش کردہ تصورِ دین کوئی ادھورا یا رسم و رواج پر مبنی چند عبادات تک محدود نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اسلام کو بہ طور مکمل ضابطہ حیات کے پیش کیا ہے۔﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾[۹۲] (دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص خدا کی آیتوں کو نہ مانے تو خدا جلد حساب لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: "قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ ؟ قَالَ : الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ."[۹۳] (رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور سہولت آمیز دینِ حنیف ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جامعیت ، با کمال خوبیوں، عالم گیر اور جامع تعلیمات کی بہ دولت اسے پسندیدگی اور تکمیل کا شرف بخشا ہے: ﴿الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[۹۴] (آج کافر تمھارے دین سے نا امید ہو گئے ہیں تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو (اور) آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی

۹۲- القرآن،۳: ۱۹۔

۹۳- احمد بن محمد بن حنبل، المسند، مسند عبداللہ بن عباس (بیروت:مؤسسة الرسالة،۲۰۰۱ء)، رقم: ۲۱۰۷۔

۹۴- القرآن، ۵: ۳۔

نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بہ شرطے کہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام پر مکمل عمل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اہل ایمان کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾[۹۵] (تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔)

آخر میں قرآن مجید نے دین اسلام کو امن وسلامتی کا قلعہ قرار دیتے ہوئے اس میں داخل ہو کر محفوظ ہونے کا حکم دیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[۹۶] (مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمھارا صریح دشمن ہے۔)

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مطالعۂ مذاہب کے دوران انسان ایک کامل دین کا تصور ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھے تاکہ اس کے پیشِ نظر رہے کہ دین محض عقائد و عبادات اور شعائر و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک فعال نظریۂ حیات اور مکمل فکر و فلسفۂ حیات ہے جو انسانوں کی زندگی کے ہر معاملے میں رہ نمائی کرتا ہے۔

۱۰- غیر جانب داری

قرآن مجید سے مطالعۂ مذاہب کے حوالے سے ایک اور اصول کی طرف رہ نمائی ملتی ہے، اور وہ ہے غیر جانب داری۔ قرآن مجید جہاں مختلف مذاہب میں پیدا ہونے والی تحریف و تبدیلی کو آشکارا کرتا ہے وہیں ان ادیان کی خوبیاں اور محاسن بھی گنواتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج کے دور میں مذاہب کا غیر جانب دار جائزہ لینا اور تقابل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے، کیوں کہ ہر آدمی کسی نہ کسی فکر یا مذہب کے ساتھ منسلک ہے مگر ادیان کا مطالعہ اور تقابل کرتے وقت حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ غیر

۹۵- القرآن، ۳۳: ۲۱۔

۹۶- القرآن،۲: ۲۰۸

جانب دار رہا جائے، تاکہ کسی بھی مذہب کے اچھے اور برے ہر دو پہلوؤں کو دیکھا جاسکے۔ قرآن مجید نے اس پہلو پر بھی توجہ کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴾[۹۷] (جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست، (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔)

اسی طرح مطالعۂ ادیان کے لیے غیر متعصب ہونا بھی لازمی شرط ہے۔ اس لیے کسی بھی غالی یا متشدد عالم، جو کہ دوسرے دین کے بارے میں شدت رکھتا ہو، کی تصنیفات سے اس کے اپنے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کی خوبیاں ظاہر نہیں ہو سکیں گی۔ اس لیے تعصب کی عینک اتار کر کھلے دل و دماغ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح عدم تنفّر بھی مطالعۂ ادیان کے لیے لازمی اصول ہے۔ کسی مذہب کی تعلیمات کو کسی خاص نظریے سے نہیں بلکہ وہ مذہب خود اپنے آپ کو کیسے دیکھتا ہے، دیکھنا چاہیے، اور پھر اس کے دلائل کو پرکھنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہ حق ہے یا باطل۔ کسی بھی مذہب سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ ایک محقق جب کسی مذہب کی تعلیمات سے نفرت کرے گا تو وہ غیر جانب دار نہیں رہ سکے گا۔

۱۱۔ اثبات حق اور قیام حجت

قرآن مجید کے اصول مطالعۂ ادیان کا ایک پہلو اثبات حق اور قیام دلیل ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو مختلف جگہوں پر بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا﴾[۹۸] (وہی تو ہے (اللہ) جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور حق ظاہر کرنے کے لیے خدا ہی کافی ہے۔)

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حق ہمیشہ دلائل کے میدان میں غالب رہا ہے اور کسی دور میں

۹۷۔ القرآن، ۲: ۶۲۔

۹۸۔ القرآن، ۴۸: ۲۸۔

بھی حق کو کوئی زیر نہیں کرسکا کیوں کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین ایک دل چسپ مناظرے کا ذکر کیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۹۹)

(بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے، (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا اور خدا بےانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔)

قرآن مجید کے مطالعۂ ادیان کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دوسروں پر حجت قائم کی جائے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (۱۰۰) (اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا، بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

ان تمام دلائل کا مقصد یہ ہے کہ جو بھی کسی فکر و فلسفے پر قائم رہے وہ حق کے ساتھ اوراس کی دلیل کے ساتھ قائم رہے۔ یعنی قرآن مجید وہ دلائل لے کر آتا ہے جن کا توڑ ممکن نہیں۔ لہٰذا اس سے انسانوں پر اتمام حجت قائم کرنا ایک بنیادی مقصد ہے، کیوں کہ قرآن مجید یہ بتاتاہے کہ ہر فرقہ اپنے فکر و فلسفے پر خوش اور قائم ہے اور اسے ہی حق جانتا ہے: ﴿فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ (۱۰۱) (تو پھر آپس میں اپنے کام کو متفرق کرکے جدا جدا کردیا۔ جو چیزیں جس فرقے کے پاس ہیں وہ اس سے خوش ہو رہا ہے۔)

۹۹- القرآن،۲: ۲۵۸۔

۱۰۰- القرآن، ۵: ۶۷۔

۱۰۱- القرآن، ۲۳: ۵۳۔

جب کہ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ درست اور صحیح ایک معیار ہے جسے حق کے طور پر جانا جاتا ہے، تو جو جس بھی فکر و فلسفے پر قائم ہے اس کے پاس حق کی دلیل ہونی چاہیے: ﴿وَلٰكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ﴾[۱۰۲] (لیکن خدا کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔اور کچھ شک نہیں کہ خدا سنتا جانتا ہے۔)

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر فیصلہ کرے گا کہ کون سا فریق حق پر قائم تھا اور کس کس نے حق کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ لہٰذا جو کوئی دنیا میں کسی بات کو حق سمجھتا ہے اس کے پاس اس کی واضح دلیل ہونی چاہیے اور جو دنیا سے جاکر اللہ کے پاس پہنچے اس کے پاس بھی واضح اور سچی دلیل ہونی چاہیے۔

۱۲- تلاشِ حق

قرآن مجید کا مطالعۂ ادیان کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ حق کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق اس کے علاوہ اور کہیں نہیں تو وہ نہ صرف حق پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے مذہب اور اپنے اوپر بھی ظلم کرتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حق کی روشنی تھوڑی یا زیادہ ہر جگہ موجود ہوتی ہے، بس اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ بات پیش نظر رہے کہ جب اہل علم ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب حق کا مظہر کامل ہوتا ہے، جب کہ دوسرے مذہب میں یا تو تحریف ہوچکی ہوتی ہے یا پھر اس کے ماننے والے حق سے دور ہو چکے ہوتے ہیں۔ قرآن اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کرتاہے۔﴿لِيُحِقَّ الۡحَـقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾[۱۰۳](تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کردے، گو کہ مشرک ناخوش ہی ہوں۔)

یہ بات بھی قابل غور ہے ایک مذہب کی تعلیمات کو حق ثابت کرنے کے لیے ضروری

۱۰۲- القرآن، ۸: ۴۲۔

۱۰۳- القرآن، ۸: ۸

نہیں کہ دوسرے مذہب کی تعلیمات کو کلیتاً غلط ثابت کیا جائے بلکہ **الحق** ۔ ایسی کلی ہے جس کے جواہر کہیں بھی ہو سکتے ہیں، اور مطالعۂ ادیان میں اس حق کو ثابت کرنا ہوتا ہے تاکہ پورا حق سامنے آجائے جہاں کہیں بھی موجود ہو۔اس مثال کو قرآن مجید کی آیت مباہلہ سے اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اہل کتاب سے توحید کے مشترکہ نکتے پر بات چیت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ**﴾[۱۰۴] (کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے، اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اہل کتاب سے مشترکہ نکات پر بات چیت کی جائے۔ یہ مشترکہ نکتہ یقیناً عقیدۂ توحید ہے جس کی وضاحت خود اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔مفتی محمد شفیع نے **معارف القرآن** میں اس آیت کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

> اس آیت سے تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کاخواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ پر دی، جس پر دونوں کا اتفاق تھا۔[۱۰۵]

غور طلب بات یہ ہے کہ اب ان اہلِ کتاب کے ساتھ مشترکہ امور و معاملات کیسے معلوم کیے جائیں؟ ان مشترکہ امور کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس دو ممکنہ ذرائع ہو سکتے ہیں۔ یا تو ہم ان مذاہب کے ماننے والوں کے موجودہ عمل کو دیکھیں گے یا پھر ان کی مقدس کتب کی طرف رجوع کریں گے۔اگر ہم اہل کتاب کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مسیحیت میں

۱۰۴– القرآن، ۳: ۶۴۔

۱۰۵– مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (کراچی: مکتبۃ المعارف، ۲۰۰۳ء)، ۲: ۸۷۔

توحید کا کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے۔ تثلیث کی موجودگی مشترکہ عقائد کو ثابت نہیں کرتی۔ موجودہ مسیحیوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصولی طور پر ان کے موجودہ عقائد ان کی مقدس کتب اورالہامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ مشترکہ عقائد ان کی مقدس کتابوں کے مطالعے سے ہی معلوم ہوں گے تاکہ ان سے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات چیت کی جاسکے۔

نتائج و سفارشات

اس تحقیقی مقالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید مطالعۂ ادیان کی سب سے پہلی بنیادی کتاب ہے اور مسلمان اس علم کے حقیقی بانی اور موجد ہیں۔ مسلمانوں کی اس علم میں دل چسپی کی بنیادی وجہ قرآن مجید کی وہ تعلیمات اور تجزیہ ہے جو وہ دوسرے ادیان اور افکار کے بارے میں جگہ جگہ پر کرتا ہے۔ مسلمانوں کی اس علم میں دل چسپی کی دوسری اہم ترین وجہ دعوت دین ہے، کیوں کہ قرآن مجید نے دوسری قوموں کو دعوت دینے کے لیے انھیں کلمة سواء یعنی توحید اور مشترکہ اقدار کی طرف بلایا ہے۔

مطالعۂ ادیان کے حوالے سے قرآن کریم کا انداز بڑا ہی دل چسپ، عام فہم، شستہ اور تعصب سے پاک ہے۔ قرآن مجید نے چھ سے زائد ادیان و مذاہب (مشرک، یہود، نصاریٰ، مجوس، صابئین، اور اسلام) کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ طریقۂ کار ہے کودوسرے مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں، دونوں کو زیر بحث لایا جائے۔اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کا یہ بھی اسلوب ہے کہ وہ خوبیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جب کہ خامیوں اور غلط عقائد کو دلائل اور براہین کے ساتھ رد کرتا ہے اور ان لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتاہے۔

قرآن مجید کے تقابلی اصولوں میں ایک اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ یہ دوسرے مذاہب کو مکمل مذہبی آزادی دیتا ہے یعنی بالجبر کسی پر اپنا دین اور نظریہ مسلط کرنے کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مختلف مذاہب کو ان کی مذہبی رسومات کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید مذہبی رواداری، حسن سلوک، ہم آہنگی اور تکثیری معاشرے میں پرامن بقاے باہمی کو فروغ دیتا ہے۔ قرآن مجید اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ پرامن بقاے باہمی اور مذہبی افہام و تفہیم کے لیے علمی مذاکرے اور مباحثے کی روایت کو جاری رہنا چاہیے جیسا کہ سورہ آل عمران میں نجران کے

عیسائیوں کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی کلمة سواء کی طرف بلایا تھا۔ اور ان کے انکار کی صورت میں ایک پرامن معاہدہ اور اچھے تعلقات کی بنیاد پڑی تھی۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کی بین المذاہب تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں اور غیر مسلم اداروں اور ملکوں کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاملات طے کیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ کم از کم گریجویشن کی سطح تک قرآن مجید کی بین الادیان تعلیمات کو سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں بہ طور نصاب پڑھایا جائے۔ اسی طرح سے یہ سفارش بھی کی جاتی ہے کہ اعلیٰ ڈگری کلاسز میں جہاں پر تقابل ادیان کا کورس بہ طور لازمی مضمون پڑھایا جاتا ہے،وہاں قرآن مجید کے منہجِ مطالعۂ ادیان کو فروغ دینے کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے جائیں، اور اس حوالے سے ادیان میں تخصّص کی روایت کو جاری کیا جائے تاکہ طلبا کے درمیان دوسرے ادیان سے متعلق آگاہی اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو سکے، جس سے وطن عزیز میں مذہبی اور معاشرتی رواداری کے ساتھ ساتھ پُر امن معاشرتی فضا بھی قائم ہو سکے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مطالعۂ ادیان کا قرآنی منہاج اور اس کی عصری معنویت

ریاض احمد سعید ۞
محمد اجمل فاروق ۞

تمہید

تاریخی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ مذہب کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود انسان، یعنی انسانی معاشرہ اور مذہب لازم و ملزوم ہیں ۔ اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے مطالعۂ ادیان کو منظم کرنے اور بھرپور طریقے سے پیش کرنے میں ایک اہم علمی کردار ادا کیا ہے۔ قرآن مجید علوم و افکار کا بیش بہا خزانہ ہے لہٰذا بہت سے مسلمان اہلِ علم نے قرآن مجید کو مطالعۂ ادیان پر پہلی باقاعدہ کتاب قرار دیا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں مختلف ادیان کی تفصیلات بیان کیں اور گاہے گاہے ان کا علمی و عملی تقابل بھی پیش کیا، خاص طور پر الہامی ادیان کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مطالعۂ ادیان میں قرآن مجید کا یہ طریقۂ کار ہے کہ وہ مختلف مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کرتا ہے تاکہ حق کو پہچاننے میں آسانی رہے۔ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ قرآن کریم نے قبل از اسلام کے مذہبی، سماجی، سیاسی، اخلاقی اور معاشی پہلوؤں پر بھی بات کی ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید عالم گیر کتاب اور قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ ہے لہٰذا اس میں باقی مذاہب کے عقائد و اعمال بھی پیش کیے گئے ہیں تاکہ درست بات تک پہنچنے میں آسانی رہے۔ ڈاکٹر محمد الشرقاوی کے مطابق:

دراسة الأديان هو علم إسلامي أصيل أبدعه واستقاه المسلمون على أسس من القرآن الكريم، وقد يفوق علماء الإسلام في ابتكارهم ودراستهم لهذا العلم عن مفكري الغرب . فبهذا المعنى يعتبر القرآن الكريم أول مصدر يقدم منهج موضوعي في مجال دراسة الأديان. [1]

۞ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل)، اسلام آباد۔(riazussaeed@gmail.com)

۞ لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(ajmal.farooq@iiu.edu.pk)

۱۔ محمد عبداللہ الشرقاوی، "أهمية البحث في مقارنة الأديان"، مشمولہ ابو حامد الغزالی، **الرد الجميل لإلهية عيسىٰ بصريح الإنجيل** (قاہرہ: دار الهداية، ۱۹۸۶ء)، ۱۷۔

(اسلام میں تقابل ادیان کا آغاز قرآن کریم کے نزول سے ہی شروع ہوتا ہے۔ مسلم علمائے کرام نے مغربی مفکرین سے بہت پہلے اس علم کے بارے میں قرآن مجید سے ان اصول و ضوابط کو جان لیا تھا۔ تو اس لحاظ سے (مسلمان اہل علم کے ہاں) اس موضوع کے متعلق سب سے اوّلین کتاب قرآن مجید ہے۔)

قرآن مجید میں مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن پاک میں زیادہ اہتمام اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمے ، مخاصمے اور مناظرے پر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ لوگ حق کے زیادہ قریب ہیں اور الہامی تعلیمات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ یہ لوگ دعوت کی راہ میں فریق اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اہلِ کتاب نے اپنے عقائد و عبادات اور مقدس کتب میں بہت ساری تبدیلیاں کر لی ہیں مگر اب بھی باقی تمام مذاہب سے زیادہ اسلام کے مشترکات اہل کتاب کے ساتھ ہی پائے جاتے ہیں؛ قرآن مجید نے مطالعۂ ادیان کے حوالے سے ان اصولوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

قرآن مجید کا ایجابی مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ قرآن مجید اور مطالعۂ ادیان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کریم میں جابجا مختلف ادیان و افکار کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر اس تحقیقی مقالے میں قرآن مجید کے منہجِ مطالعۂ ادیان اور اس کی عصری معنویت کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ آج کے دور کی ایک اہم ترین علمی ضرورت ہے، تاکہ اس سے فائدہ اٹھا کر تعلیمی اداروں میں مطالعۂ ادیان کی تحقیق و تدریس کو بہتر بنایا جا سکے اور مختلف اقلیتوں اور مذاہب کے ساتھ تعلّقات کو قرآنی اصول و ضوابط کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

حصہ اوّل: قرآن مجید کا منہج مطالعۂ ادیان

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اس کے نزول کے وقت جو ادیان عرب اور اس کے گرد پھیلی ہوئی سلطنتوں میں اپنا وجود رکھتے تھے۔ مثلاً: یہودیت، عیسائیت، وثنیت، صائبیت اور مجوسیت وغیرہ— اُس نے نہ صرف ان کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کے عقائد کو بیان کرنے میں تاریخی، منطقی، تجزیاتی اور تنقیدی مناہج بھی اختیار کیے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید[۲] نے ایک آیت مبارکہ میں چھ بڑے ادیان کا ذکر ایک ساتھ کرکے ان کا تجزیہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

۲- القرآن الکریم، اردو ترجمہ: مولانا فتح محمد خان جالندھری (لاہور: فاران فاونڈیشن، ۲۰۱۳ء)۔

هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [۳] (جو لوگ مومن (یعنی مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک۔ خدا ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا۔ بے شک خدا ہر چیز سے باخبر ہے۔)

وقت کے ساتھ ساتھ علم کی ہر جہت نے تطوّر اختیار کیا ہے اور زمانے کے لحاظ سے اس میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسی طرح مطالعۂ ادیان کے بھی جدید دور میں مختلف مناہج وجود میں آئے ہیں۔ عصر حاضر میں مطالعۂ ادیان کی ضرورت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں محمد سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

> عصر حاضر میں اس مطالعہ کی اہمیت یوں بڑھ گئی ہے کہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں مذاہب کے مطالعہ اور مذاہب کے درمیان افہام وتفہیم کے شعبے کھل گئے ہیں اور مسلم دنیا میں بھی اس کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ حالاں کہ مغربی ممالک نے مذاہب کا مطالعہ انیسویں صدی سے کرنا شروع کیا۔ اور مکالمہ کی ابتدا بھی سیریا کے شہر حمدون سے ہوئی ہے، جس میں عیسائیوں کے مختلف اور متحارب فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مکالمہ کی داغ بیل ڈالی گئی پھر اسے دوسرے مذاہب تک پھیلا دیا گیا۔ جب کہ مسلمانوں نے بہت پہلے مطالعہ اور مکالمہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ [۴]

۱- باطل عقائد کا رد

عصر حاضر میں مطالعۂ ادیان کی روایت کو موئژ بنانے کے لیے قرآن مجید کے منہج مطالعۂ ادیان کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اس حوالے سے جن بنیادی اسالیب پر قرآن کریم نے مختلف مذاہب، ان کے عقائد اور افکار کا تجزیہ و تنقید کی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

الف۔ شرک کا رد

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کا معاشرہ ایک مشرکانہ معاشرہ تھا۔ کفار مکہ ہر قسم کا شرک کرتے تھے، بالخصوص وہ شرکِ الوہیت میں ملوث تھے۔ یعنی وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اس کی خدائی اور اس کائنات کو چلانے میں شریک ہے۔ قرآن مجید نے اس باطل دعوے کو کئی بار بیان کیا اور اس کا رد پیش کیا ہے: ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [۵] (اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور

۳- القرآن، ۲۲: ۱۷۔

۴- محمد سعود عالم قاسمی، **مطالعۂ مذاہب کی اسلامی روایت** (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)، ۱۷۔

۵- القرآن، ۱۰: ۱۸۔

کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔)

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قومِ نوح کے پانچ بُت دراصل قومِ نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مَر گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں سے کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ ان کو ان کے ناموں ہی سے موسوم کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی حتیٰ کہ جب یہ (مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے لاعلمی اور جہالت کی بنا پر ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔"[6]

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں ان کے اس باطل دعوے کو یوں رد فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ﴾[7] (کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ وہ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔)

ایک دوسری جگہ پر اس کا جواب یوں دیا: ﴿اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[8] (کیا یہ (مشرک) کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں تو کافر تو خود داؤ میں آنے والے ہیں۔ کیا خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ خدا ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔)

ب۔ عقیدہ ثنویت

یہ عقیدہ زرتشتوں کا ہے جس کے مطابق دنیا میں دو خدا ہیں ایک خیر کا خدا (یزداں) اور دوسرا شر کا خدا (اہرمن)؛ ان دونوں میں ہر وقت جنگ جاری رہتی ہے۔ اہل مجوس کے لیے اس عقیدے پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾[9] (اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے۔ تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔)

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ (ریاض: دار السلام، ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۹ء)، ۸۷۵، رقم: ۴۹۲۰۔

۷۔ القرآن، ۱۱۲: ۱-۴۔

۸۔ القرآن، ۵۲: ۴۲-۴۳۔

۹۔ القرآن، ۱۶: ۵۱۔

قرآن مجید نے اس عقیدے کے رد میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کی ہے جو شرک کے خلاف عقل کے استعمال کرنے اور پھر اس سے نتائج اخذ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ارشاد فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ (۱۰) (اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہوجاتے۔جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خدائے مالک عرش ان سے پاک ہے۔)

ج۔ عقیدہ تثلیث

یہ عقیدہ اہل کتاب میں سے مسیحیوں کا ہے کہ دنیا میں ایک نہیں بلکہ تین خدا ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے مسیحی علما عجیب و غریب توجیہات پیش کرتے ہیں ۔وہ اس بات پر بہ ضد ہیں کہ "تین" ایک ہے اور "ایک" تین ہیں، یہ تینوں اقانیم مل کر ایک خدا بناتے ہیں جو کہ ایک خداوند ہے۔

قرآن کریم نے اس عجیب و غریب دعوے کا رد بڑی تفصیل سے کیا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (۱۱) (وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے، حالاں کہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔)

قرآن مجید نے ایک فکری تجزیہ کرنے کے بعد ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو ایک خدا کی طرف دعوت دی، پھر عقیدۂ توحید کے ثمرات سے بھی آگاہ کیا تاکہ راہِ حق کو قبول کرنا انھیں فائدہ دے۔ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (۱۲) (اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین ہیں۔(اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔)

۱۰- القرآن،۲۱: ۲۲۔

۱۱- القرآن،۵: ۷۳۔

۱۲- القرآن،۴: ۱۷۱۔

قرآن مجید نے بڑے واضح اور سہل انداز میں تثلیث کے ماننے والوں کو ایک خدا کی طرف بلایا ہے۔ یہ وہ دعوت ہے جو کہ تمام الہامی کتب اور صحیفوں میں موجود ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسی علیہ السلام کی زبانی بھی اس دعوت کا اقرار کروایا ہے۔ کتابِ مقدس[۱۳] (بائبل)[۱۴] کی بے شمار آیات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

د۔ روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ

یہ آج کل کے ہندوؤں اور دیگر مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ روح اور مادہ قدیم ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا بھی رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کائنات میں سب کچھ حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ سب کچھ بنایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے رزق کا ذمہ دار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِۙ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِؕ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُؕ۝﴾[۱۵] (سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا حاکم۔ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔)

قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اس مسئلے کی یوں وضاحت کی گئی ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[۱۶] (وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔)

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز کو فانی قرار دیا گیا ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾[۱۷] (جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔

۱۳۔ بائبل عہد نامہ قدیم میں ہے: "پس آج کے دن جان اور اپنے دل میں غور کر کہ خداوند وہی خدا ہے جو اُوپر آسمان میں ہے اور نیچے زمین میں ہے اور یہ کہ اُس کے سوا کوئی نہیں" (استثناء، ۴: ۳۹۔) جب کہ بائبل عہد نامہ جدید میں بیان کیا گیا ہے: "یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تُو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔" (مرقس، ۱۲: ۲۹)۔

۱۴۔ **بائبل** (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۸ء)۔

۱۵۔ القرآن، ۱: ۱-۴۔

۱۶۔ القرآن، ۵۷: ۳۔

۱۷۔ القرآن، ۵۵: ۲۶-۲۷۔

اور تمھارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی۔)

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:"كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ."[۱۸] (اللہ اس وقت بھی تھا جب کچھ بھی (موجود) نہیں تھا۔)

مندرجہ بالا دلائل وحقائق بتاتے ہیں کہ روح ومادے کی ابدیت کا عقیدہ بے اصل اور من گھڑت ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہی قدیم ہے، باقی سب کچھ حادث اور جدید ہے۔ یہ سارا جہاں اسی ذات مبارکہ کا پیدا کردہ ہے اور اسی کے حکم سے ختم ہونے والا ہے۔ سب سے پہلے بھی وہی ذاتِ مبارکہ تھی اور آخر میں بھی وہی ذاتِ مبارکہ رہنے والی ہے۔

۵- عقیدۂ حلول

یہ عقیدہ بھی مختلف مذاہب میں پایا جاتا ہے جس کی مختلف جہتیں ہیں؛ ہر جہت کے اعتبار سے یہ عقیدۂ توحید کے متضاد ہے۔ اس عقیدے کے مطابق خدا انسانوں اور دیگر مخلوقات میں حلول کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اس عقیدے کا رد فرمایا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى۝﴾[۱۹] (خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا... فَهوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَه فَوْقَ الْعَرْشِ."[۲۰] (بے شک اللہ تعالیٰ نے لکھا جو کچھ لکھا۔۔۔اور وہ اس کے ہاں عرش پر محفوظ ہے۔)

جب کہ امام مالک نے اس کی بڑی خوب صورت تشریح فرمائی ہے:"الاستواء معلوم

۱۸- بخاری، **الجامع الصحيح**، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ، رقم:۳۱۹۱۔

۱۹- القرآن، ۲۰: ۵۔

۲۰- بخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ، رقم:۷۵۵۴۔

والکیف مجھول والسؤال عنہ بدعة والإیمان بہ واجب."[۲۱] (اللہ تعالیٰ کا استوا معلوم ہے۔ اور وہ کیسے مستوی ہے یہ بات غیر معلوم ہے۔اس کی کیفیت کے بارے میں سوال بدعت ہے۔جب کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔)

امام معمر بن احمد الاصبہانی اس بارے میں فرماتے ہیں :

وأنّ اللہ عزّ وجلّ استوی علی عرشہ بلا کیف ولا تشبیہ ولا تأویل، فالاستواء معقول، والکیف فیہ مجھول، والإیمان بہ واجب، والإنکار لہ کفر... وأنّہ جلّ جلالہ بائن من خلقہ والخلق بائنون منہ، فلا حلول ولا ممازجة ولا اختلاط ولا ملاصقة، لأنّہ الفرد البائن من خلقہ، الواحد الغني عن الخلق، علمہ بکلّ مکان، ولا یخلو من علمہ مکان.[۲۲]

(اللہ عزوجل اپنے عرش پر مستوی ہے۔اس بارے میں ہم کوئی کیفیت بیان نہیں کرتے، نہ کوئی تشبیہ دیتے ہیں اور نہ کوئی تاویل کرتے ہیں۔ عرش پر مستوی ہونا عقل میں آنے والی بات ہے، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے... اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جُدا ہے اور مخلوق اس سے جُدا ہے۔خالق اور مخلوق کا آپس میں کوئی حلول، ملاپ، اختلاط نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، نیز وہ اکیلا اور اپنی مخلوق سے بے پرواہے۔اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں۔)

اکثر مذاہب میں عقیدۂ حلول اس صورت میں موجود ہے کہ ذاتِ خداوندی انسانوں میں یا مختلف ارواح میں حلول کرگئی ہے، مگر قرآنِ مجید نے اس نظریے کو غلط قرار دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ذاتِ خداوندی الگ ہے جب کہ باقی کائنات الگ ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اس نور کی گواہ اور شاہد ہو سکتی ہے، مگر روح اور مادہ ایک نہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات قدیم اور ازلی ہے جب کہ باقی تمام موجودات حادث اور مٹنے والی ہیں۔

و- ابنیت کا عقیدہ

یہ عقیدہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کا تھا۔یہود حضرت عزیر عَلَیْہِ السَّلَام کو جب کہ نصاریٰ،

۲۱- عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر، **الأثر المشھور عن الإمام مالک رحمہ اللہ في صفة الاستواء** (مدینہ: الجامعة الإسلامیة بالمدینة المنورة،۲۰۰۰ء)، ۱۲۔

۲۲- ابی القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل، **الحجة في بیان المحجة وشرح عقیدة أھل السنّة**، تحقیق: محمد بن ربیع بن ہادی عمیر المدخلی (سعودی عرب: دار الرایة، ۱۴۱۱ھ)، ۱: ۲۴۸- ۲۴۹۔

حضرت عیسی عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ کے بیٹے کہتے تھے۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اولاد قرار دیتے تھے۔ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ٌابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾[23] (اور یہود کہتے ہیں کہ عُزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے یہ بھی انھیں کی ریس کرنے میں لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے۔ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔)

یہود و نصاریٰ نے بھی پہلی کفار قوموں کی طرح اللہ کی ذات کے بیٹے بنا دیے ، اللہ کی حیثیت و کیفیت کے جو نظریات کفار کے ہاں پائے جاتے تھے یہود و نصاریٰ بھی ان نظریات سے متاثر ہوئے اور شرک کرنا شروع کر دیا۔ اللہ نے جن انبیاعلیہم السلام کو اُن کی ہدایت کے لیے بھیجا انھوں نے اُنھیں اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ واضح طور پر سابقہ آیت میں دلیل کے ساتھ اُن کی تردید کی گئی ہے کہ انھوں نے سابقہ کفار قوموں سے متاثر ہوکر اپنے صحیح توحید والے نظریات کو ترک کردیا۔ جیسے وہ کفار خدا کی ذات کے بارے اِبنیت کا عقیدہ رکھتے تھے اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اس آیت میں ایک تو سابقہ ادیان کے عقائد کی تفصیل پتا چلتی ہے، پھر یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ اِبنیت اور اس کا رد واضح ہوتا ہے۔

﴿لم یلد ولم یولد﴾ کی آیت مبارکہ سے بھی اَب اور اِبنیت دونوں کا انکار ہو جاتا ہے ، مگر انکار کے بعد باری تعالیٰ کا اثبات بھی مختلف آیات بینات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ حق کی جہت بھی واضح ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴾[24] (خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔)

ایک اور مقام پر مشرکین مکہ کے دعوے کو اس طرح بیان فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝﴾

۲۳- القرآن، ۹: ۳۰۔

۲۴- القرآن، ۱۹: ۳۵۔

﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾[۲۵] ((مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔)

اس آیت میں استفہامِ انکاری کی صورت میں مشرکینِ مکہ کے عقیدے کا رد کیا گیا ہے ، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ خدا کے لیے بیٹیوں کے قائل بھی تھے جو کہ اسلام کی رو سے ایک باطل عقیدہ ہے۔

ز۔ عقیدۂ کفارہ

یہ مسیحیوں کا اہم ترین عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے پر رحم کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ گناہ گار اور ظالم کو معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی لازمی صفت انصاف کے خلاف ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے پیارے بیٹے یسوع مسیح کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے میں صلیب پر چڑھادیا۔ اب جو کوئی بھی حضرت عیسی عَلَیْہِ السَّلَام پر ایمان لائے گا وہ جتنے مرضی گناہ کرے نجات پائے گا۔[۲۶] مگر یہ عقیدہ کئی اعتبار سے غلط، ناقص اور تناقضات سے بھرپور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بھرپور رد فرمایا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ بات خود انصاف کے خلاف ہے کہ ایک بے گناہ کو کسی گناہ گار کے بدلے میں صلیب پر چڑھا دیا جائے، پھر اللہ کی ذات کے ساتھ ایسی بے انصافی کو جوڑنا عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾[۲۷] (اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بلائے

۲۵۔ القرآن، ۵۳: ۲۱-۲۲۔

۲۶۔ مسیحی علمِ عقائد میں کفارے کا عقیدہ یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں: ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا؛ دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔ دیکھیے:

“Atonement” in *Encyclopedia Britannica*, ed. Robert Maynard Hutchins (Chicago: Encyclopedia Britannica Inc., 1985), 1: 680.

۲۷۔ القرآن، ۳۵: ۱۸۔

تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔(اے پیغمبر ﷺ) تم انھی لوگوں کو نصیحت کرسکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں۔اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے۔اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

دوسرا رد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس زندہ اٹھا لیا تھا۔یہ آیت مبارکہ تفصیل سے اس سارے واقعہ کو بیان کرتی ہے:﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾﴾ [۲۸] (اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو، جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے، قتل کردیا ہے۔ (خدا نے ان کو بچالیا) اور انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔اور انھوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔)

یہ بات غور طلب ہے کہ جس طرح عقیدۂ کفارہ اور عقیدۂ تثلیث مسیحیوں کے ہاں بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نے بھی ان پر بہت تنقید کی ہے اور ان کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ح۔ عقیدۂ مصلوبیت و رفع آسمانی

عقیدۂ مصلوبیتِ مسیح [۲۹] اور عقیدۂ رفع آسمانی مسیح کا شمار بھی مسیحیت کے معروف عقائد میں ہوتا ہے اور اس پر باقی بہت سے عقائد کی بنیاد رکھی گئی ہے۔تقریباً تمام مسیحی فرقے [۳۰] اس پر ایمان رکھتے ہیں۔اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر مصلوب ہو گئے۔ پھر وہ اپنے مصاحبین، یعنی

۲۸۔ القرآن، ۴: ۱۵۷۔ ۱۵۸۔

۲۹۔ اس عقیدے کے مطابق جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور انھیں زندہ سلامت اپنے پاس بلا لیا اور وہ قیامت کے دن دوبارہ تشریف لائیں گے۔

۳۰۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ عیسائیت کا متفقہ عقیدہ کسی دور میں بھی نہیں رہا۔ مواحدین، اپالی نیرین، ملکانیہ اور بعض دیگر فرقے اس عقیدے کو نہیں مانتے۔ دیکھیے: ساجد میر، **عیسائیت: تجزیہ و مطالعہ** (لاہور: مکتبہ دار لسلام، س۔ن)، ۱۶۱۔

حورایوں، سے ملتے رہے اور قرب قیامت دوبارہ تشریف لائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد مسیحی عقیدے کے لحاظ سے کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [۳۱] (پھر گروہوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا تو کافروں کے لیے خرابی ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔)

معروف مفسر علی بن محمد بن ابرہیم الخازن لکھتے ہیں:

اس واقعے کے بعد عیسائی چار بڑے فرقوں میں تقسیم ہو گئے: (۱) یعقوبیہ۔ (۲) ملکانیہ۔ (۳) نسطوریہ۔ (۴) مرقوسیہ۔ ہر فرقے نے اپنے تئیں حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے الگ عقیدہ اختیار کر لیا۔ یعقوبیہ اور ملکانیہ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کہا اور نسطوریہ نے بھی اسی کو اختیار کر لیا، جب کہ مرقوسیہ فرقے کا عقیدہ تھا کہ وہ تین میں سے تیسرے ہیں، مزید اس کی وضاحت میں بھی ان میں اختلاف تھا، بعض تین اُقْنُوم (یعنی وجود) مانتے تھے اور کہتے تھے کہ باپ، بیٹا، روحُ القدس تین ہیں اور باپ سے ذات، بیٹے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روحُ القدس سے ان میں حلول کرنے والی حیات مراد لیتے تھے گویا کہ اُن کے نزدیک اِلٰہ تین تھے اور اس تین کو ایک بتاتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناسُوتیَّت (یعنی انسانیت) اور اُلُوہِیَّت کے جامع ہیں، ماں کی طرف سے اُن میں ناسوتیت آئی اور باپ کی طرف سے الوہیت آئی ﴿عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے پاک اور بہت ہی بلند وبالا ہے (یہ فرقہ بندی عیسائیوں میں ایک یہودی نے پیدا کی جس کا نام بُولَس تھا، اُس نے اُنھیں گمراہ کرنے کے لیے اس طرح کے عقیدوں کی تعلیم دی)۔ [۳۲]

جب کہ کچھ دیگر معروف مفسرین نے مزید کچھ فرقوں کا ذکر کر کے ان کو مومن قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام نسفی نے **مدارك التنزيل وحقائق التأويل** میں الملکانیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، مخلوق ہیں اور نبی ہیں۔ [۳۳] جب کہ مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے **خزائن العرفان** میں بھی تین فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان میں سے الملکانیہ فرقہ مومن تھا۔ [۳۴]

۳۱۔ القرآن، ۱۹: ۳۷۔

۳۲۔ علاء الدین علی بن محمد ابرہیم الخازن، **تفسیر الخازن**، مترجم: محمد اسماعیل قادری، (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۴۵۔

۳۳۔ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، **مدارک التنزیل و حقائق التاویل المعروف تفسیر المدارک للنسفي**، مترجم: مولانا شمس الدین (لاہور: مکتبۃ العلم، س۔ن۔)، ۲: ۳۶۷۔

۳۴۔ نعیم الدین مراد آبادی، **خزائن العرفان** (دہلی: مکتبۃ المدینہ، س۔ن۔)، ۳: ۵۷۴۔

اس بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے عصرِ حاضر کے ایک عالم دین پروفیسر ساجد میر نے اپنی کتاب **عیسائیت: تجزیہ ومطالعہ** میں لکھا ہے:

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں تحریکِ اصلاح کلیسا کے انتہائی اثر کے طور پر عقلیت (Rationalism) اور تجدد (Modernism) کی تحریکیں بھی شروع ہوئیں جن کے علم برداروں نے یا تو عیسیٰ علیہ السلام، بائبل اور عیسائی نظریات کا سرے سے انکار ہی کر دیا، اور یا بائبل کے بعض مندرجات کی جدید تقاضوں کے مطابق تشریح وتعبیر کی کوشش کی، مگر جہاں تک عیسائی عقائد کو پولسیت اور اس کے مشابہ نظریات سے پاک کرنے کا سوال ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں کوئی خدمت سر انجام نہیں دی۔ البتہ ان ساری تحریکات کے نتیجہ میں اور کچھ آزادانہ سوچ کے طفیل سولھویں صدی سے ایک قلیل گروہ ایسے عیسائی علما اور عوام کا بھی پیدا ہوا جنھیں موحدین (Unitarians) کہا جاتا ہے۔ انھوں نے مسیح کی خدائی کا انکار کر کے ان کی انسانی حیثیت پر زور دیا۔ روح القدس کو بھی خدائی کے تخت سے اتارا اور تثلیث کی بجائے توحید کا پرچار کیا۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے عیسائیت کی اصلی بنیادوں کو پہچاننے کی بڑی حد تک کوشش کی ہے اور اس کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ (۳۵)

جہاں تک اس عقیدے کے دوسرے حصے یعنی رفع آسمانی کا تعلق ہے، قرآن مجید نے اس عقیدے کی نہ صرف تصدیق کی ہے بلکہ احادیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔ لیکن پہلے عقیدے کو قرآن و احادیث دونوں میں غلط قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾ (۳۶)

(اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو اللہ کا رسول تھا، اور انھوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے، اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اس کو قتل نہیں کیا، بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔)

خود بعض مسیحی علما ان من گھڑت عقائد کو ماننے سے انکار کرتے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک معروف نام واکر (Williston Walker) کا ہے؛ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

[L]ogos Christology ... was not wholly regarded with

۳۵- میر، **عیسائیت**، ۱۲۸۔

۳۶- القرآن، ۴: ۱۵۷-۱۵۸۔

sympathy by the rank and file of believers ... Tertullian says significantly of his own time (213-218): "...The majority of the believers are startled at the dispensation of the three in one, on the ground that their very rule of faith withdraws them from the words plurality of gods to the one only True God."[37]

(حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں نظریۂ کلام کو عام عیسائی ہم دردی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ طرطلین نے اپنے زمانہ (۲۱۳-۲۱۸) کے بارے میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ عیسائیت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت "ایک میں سے تین" کے نظریے پر چونک پڑتی ہے، کیوں کہ ان کا قاعدۂ ایمان انھیں خداؤں کی کثرت سے ایک سچے خدا کی طرف بلاتا ہے۔)

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕؔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾[۳۸] (اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تونے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو تم معبود بنالینا؟ وہ جواب دیں گے کہ تیری ذات پاک ہے، مجھے جس بات کے کہنے کا حق نہ تھا میں کیسے کہہ دیتا؟ اگر میں نے کہا ہو تو، تو خوب اچھی طرح جانتا ہے، میرے دل کی باتیں تجھ پر بہ خوبی روشن ہیں، ہاں تیرے جی میں جو ہے وہ مجھ سے مخفی ہے، تو تو تمام تر غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔)

جب کہ موجودہ بائبل[۳۹] بھی توحید کے حوالے سے بڑی واضح ہے۔ اس حوالے سے ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں: "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"[۴۰] "تیری بادشاہی، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو۔"[۴۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن عظیم الشان تعلیمات کا ذکر قرآن کریم نے بہ طور خاص کیا ہے، ان میں قرآن

37– Williston Walker, *A History of the Christian Church* (Edinburgh: T& T Clark, 1949), 71.

۳۸– القرآن، ۵: ۱۱۶۔

۳۹– **بائبل: کنگ جیمس ورژن** (تھامس نیلسن بائبل، ۱۸۹۷) اردو ترجمہ (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۱۹۶۲ء)۔

۴۰– متی، ۴۱: ۱۔

۴۱– متی، ۶: ۱۰۔

مجید ایک طرف تو ان کی عظمت و رفعت کو اجاگر کرتا ہے، تاکہ ان کے متعلق یہودیوں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا قلع قمع ہو اور دوسری طرف ان لوگوں کی شدید مذمت کرتا ہے جنھوں نے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا۔ قرآن مجید سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی صاف ستھری تعلیمات کا بار بار حوالہ دیتا ہے، جن سے عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت کی بہ خوبی وضاحت ہوتی ہے۔

ط- عقیدۂ تناسخ

یہ عقیدہ ہندوؤں اور بعض دیگر مذاہب کے پیروں کاروں کا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ گناہ گار کو معاف نہیں کرتا بلکہ گناہوں کی سزا کے طور پر ایک گناہ گار کو مخلوقات کی مختلف اقسام میں تبدیل ہو کر دوبارہ دنیا میں آنا پڑتا ہے، جب کہ نیکو کار کو کسی اچھی شکل میں دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ عقیدۂ تناسخ[۴۲] کو آواگان اور جونی چکر بھی کہا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق اچھے انسان اچھی شکلوں میں جب کہ برے انسان بری شکلوں میں لوٹ کر دوبارہ اس دنیا میں واپس آتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق اس دنیا سے جانے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں ہے بلکہ ہر انسان اپنے عمل کے مطابق سزا و جزا لے کر مستقل وہاں پر رہے گا۔ اچھے اعمال کے بدلے اچھی جزا ملے گی جب کہ برے اعمال کے بدلے سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عقیدے کا مکمل رد فرمایا ہے: ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾[۴۳] ((یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں۔ یہ ایک ایسی بات

۴۲- عقیدۂ تناسخ کا مطلب روح کا ایک قالب سے دوسرے قالب میں منتقل ہونا ہے۔ یعنی ایک بار موت کے بعد وہ مرنے والی شخصیت انسان ایک مرتبہ پھر تجسیم حاصل کرلیتا ہے۔ انگریزی میں اسے Reincarnation کہتے ہیں۔ تناسخ کا نظریہ حیات بعد از ممات سے بالکل ایک الگ تصور ہے۔ تناسخ کا نظریہ ہندوستانی مذاہب (Indian Religions) میں جب کہ حیات بعد از ممات کا نظریہ عام طور پر ابراہیمی ادیان میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ خیال کہ مرنے کے بعد روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے — خواہ وہ کسی آدمی کا بدن ہو یا کسی جانور کا — بالکل ہی باطل اور اس کا ماننا کفر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیے: **فتاویٰ عالمگیری**، مترجم: سید امیر علی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۲ء)، ۳: ۴۳۴۔

۴۳- القرآن، ۲۳: ۹۹- ۱۰۰۔

ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہو گا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہو گا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، (رہیں گے))۔

انسان کا وجود کسی بھی شکل میں دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا ، قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس کی نفی کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ مشرکین مکہ بھی حیات بعد از ممات کے انکاری تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہ طور خاص بیان کیا کہ تمھیں مرنے کے بعد اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہو گا جو تم نے دنیا کی زندگی میں کیے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ تمھیں کبھی واپس نہیں بھیجے گا۔

ی- عقیدۂ الحاد

مذہب ہر دور میں انسانوں کی بنیادی ضرورت رہا ہے مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہمیشہ سے رہے ہیں جو کسی مذہب پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن مجید نے عقیدۂ الحاد کو بھی نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ اس کے رد کے لیے دلائل بھی دیے ہیں۔ معروف اسلامی سکالر محمد عبدالستار نصّار لکھتے ہیں: "قد ورد عقائد الدهريين والملحدين في القرآن الكريم وردهم أيضا، والملحدون هم الذين ينكرون وجود الله جل وعلا ويوم الآخرة."[۴۴] (قرآن پاک میں ملحدین اور دہریوں کے عقائد بھی بیان کیے گئے ہیں اور ان کا رد بھی۔ملحدین وہ ہیں جو اللہ رب العزت کے وجود اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾[۴۵] (اور وہ کہتے ہیں : ہماری دنیوی زندگی کے سوا (اور)کچھ نہیں ہے ہم (بس) یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے (حالات و واقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا، اور انھیں اس (حقیقت) کا کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ صرف خیال و گمان سے کام لے رہے ہیں۔)

سائنس کی موجودہ ترقی نے انسان کے ذاتی ظن و تخمین کے دائرے اتنے زیادہ بڑھا دیے ہیں کہ وہ اپنی عقل و خرد کی بنیاد پر مذہب اور خدا کا انکاری ہو گیا ہے، جس سے یوں لگتا ہے کہ انسان کی یہ

۴۴- محمد عبدالستار نصّار، **العقيدة الإسلامية أصولها و تاويلاتها** (قاہرہ : دارالهدی للطباعة، ۱۹۸۲ء)، ۱۰۶۔

۴۵- القرآن، ۴۵: ۲۴۔

روش دور جدید کی پیداوار ہے، جب کہ ایسا ہر دور میں ہوا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت بھی اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ پھر یہ خطاب ہر اس انسان کے لیے ہے جو الحاد و دہریت کا شکار ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے ان گروہوں کی نشان دہی ہوتی ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور وقت کو ہی سب کچھ تسلیم کرتے ہیں۔

۲- وحی کی عالم گیریت و عمومیت

اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام مبعوث فرمائے اور وہ سب کے سب وحیِ الٰہی کے حامل تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس حوالے سے فرماتے ہیں: ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾[۴۶] (ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔ اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔)

قرآن مجید سابقہ انبیا علیہم السلام پر نازل ہونے والے صحائفِ وحی کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر الہامی کتابوں اور صحفِ سماویہ کا ذکر بھی فرمایا ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا لَفِي ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝﴾[۴۷] (یہ بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔)

اس تفصیل سے یہ بات بڑی آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کوئی پہلی کتاب نہیں ہے بلکہ اس وحی کا تسلسل ہے جو تمام انبیا علیہم السلام پر نازل ہوتی رہی ہے۔ البتہ قرآن مجید اس تسلسل کی آخری کڑی ہے اس کے بعد وحی کا سلسلہ مکمل ہو گیا ہے۔ قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ لہٰذا اب وحی الٰہی کا یہ آخری صحیفہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے جو دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہیں۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے قرآن مجید صحیفہ خداوندی کے طور پر باقی ہے۔

۴۶- القرآن، ۳۵: ۲۴۔

۴۷- القرآن، ۸۷: ۱۸- ۱۹۔

۳۔ پیغمبروں پر الزامات کا جواب

اہل کتاب: یہود ونصاریٰ نے مختلف انبیاعلیہم السلام پر ایسے گندے اور گھٹیا الزامات عائد کیے ہیں جس سے ان کی پاک دامنی اور اخلاقی حیثیت متاثر ہونے کا خطرہ تھا؛ قرآن مجید نے ان تمام الزامات کو غلط قرار دیا اور ان کا رد بڑی تفصیل اور دلائل سے کیا ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۵ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾[۴۸] (اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔)

حضرت موسی علیہ السلام پر جب ان کی قوم نے جسمانی معذوری کا الزام عائد کیا تو قرآن مجید نے اس کا بھرپور دفاع کیا اوراس کا کما حقّہ جواب دیا، اور انھیں ہر قسم کے جسمانی عیب سے مبرا قرار دیا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾[۴۹] (مومنو تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ (کو عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو خدا نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔ اور وہ خدا کے نزدیک آبرو والے تھے۔)

بعض احادیث مبارکہ میں بھی اس واقعہ کی کچھ تفصیلات موجود ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سیدنا موسی علیہ السلام کی شرم و حیا کے بارے میں فرمایا:

> إن موسى كان رجلا حييا ستيرا لا يرى من جلده شيء استحياء منه فآذاه من آذاه من بني إسرائيل، فقالوا: ما يستتر هذا التستر إلا من عيب بجلده إما برص وإما أدرة وإما آفة وإن الله أراد أن يبرئه مما قالوا لموسى: فخلا يوما وحده فوضع ثيابه على الحجر ثم اغتسل فلما فرغ أقبل إلى ثيابه ليأخذها وإن الحجر عدا بثوبه فأخذ موسى عصاه وطلب الحجر فجعل يقول: ثوبي حجر ثوبي حجر حتى انتهى إلى ملإ من بني إسرائيل فرأوه عريانا أحسن ما خلق الله وأبراه مما يقولون، وقام الحجر فأخذ ثوبه فلبسه وطفق بالحجر ضربا بعصاه فوالله إن بالحجر لندبا من أثر ضربه ثلاثا أو أربعا أو خمسا.[۵۰]

۴۸۔ القرآن، ۱۹: ۴۱۔

۴۹۔ القرآن، ۳۳: ۶۹۔

۵۰۔ بخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسىٰ عليهما السلام، رقم: ۳۴۰۴۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی شرم والے تھے۔ ان کی حیا کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انھیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے' انھوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ بدن چھپانے کا اہتمام اس لیے ہے کہ ان کے جسم میں عیب ہے یا کوڑھ ہے یا ان کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا پھر کوئی اور بیماری ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ہفوات سے مبرّا دکھلائے۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لیے آئے اور ایک پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیے۔ جب فارغ ہوئے تو کپڑے اٹھانے کے لیے بڑھے لیکن پتھر ان کے کپڑوں سمیت بھاگنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: پتھر! میرا کپڑا دیدو۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے اور ان سب نے آپ کو ننگا دیکھ لیا، اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر حالت میں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت سے براءت کر دی۔ اب پتھر بھی رک گیا اور آپ نے کپڑا اٹھا کر پہنا۔ پھر پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے تین یا چار یا پانچ جگہ نشان پڑ گئے تھے۔)

بعض علما کا خیال ہے[۵۱] کہ موجودہ بائبل میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو انبیا علیہم السلام کے مسلمہ عفّت و عصمت کے خلاف ہیں۔ کچھ علما تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس وقت مغرب میں جو انبیا علیہم السلام کی اہانت کے پے درپے واقعات ہو رہے ہیں ان کے پیچھے ان تعلیمات کا بھی اثر ہو سکتا ہے۔ یہاں ۲۰۱۰ء میں قرآن کو جلانے کی کوشش کو بہ طور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ مولانا امیر حمزہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

امریکہ میں ہر سال نائن الیون کے حادثے میں جان ہارنے والوں کی یاد میں ایک دن منایا جاتا ہے۔ ۲۰۱۰ء میں جب نائن الیون کی برسی کا دن قریب آرہا تھا تو امریکہ کی ایک ریاست فلوریڈا کے ایک پادری نے انٹرنیٹ پر ایک پروگرام لانچ کیا کہ اس بار ہر شخص قرآن جلا کر نائن الیون کی برسی منائے۔ چرچ کے اس پادری کا نام ٹیری جونز (Terry Jones) ہے۔ اس کے ساتھ بہت سارے لوگ شامل ہوگئے۔ دنیا بھر میں ایک شور اٹھا۔ انصاف پسند مسیحیوں نے بھی اس اقدام کی مخالفت کی۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور احتجاج کیا۔ امریکی صدر نے بھی اس فعل کی حوصلہ شکنی کی۔ الغرض یہ واقعہ اجتماعی طور پر واقع نہ ہو سکا اور پادری نے اپنا مذموم ارادہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا، تاہم کئی لوگوں نے اس کے باوجود امریکہ میں قرآن کے اوراق کو پھاڑا اور جلایا بھی۔[۵۲]

۵۱- موجودہ بائبل میں عصمتِ انبیا کے خلاف بہت سارے واقعات ملتے ہیں۔ جب کہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید عصمتِ انبیا کے حوالے سے بہت ہی مختلف تصویر پیش کرتا ہے۔ یہاں پر کچھ واقعات کی طرف صرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ موجودہ بائبل میں حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابرہیم، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت یحیی اور حضرت زکریا علیہم السلام کے خلاف ایسے واقعات موجود ہیں جو اسلامی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے عصمتِ انبیا کے خلاف ہیں۔ دیکھیے: **کتاب پیدائش**، ۸: ۶، ۱۹-۳۰۔

۵۲- امیر حمزہ، **میں نے بائبل سے پوچھا: قرآن کیوں جلے** (لاہور: دار الاندلس، ۲۰۱۱)، ۱۵-۱۶۔

اس طرح یہ اس طرف اشارہ بھی ہے کہ موجودہ بائبل انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہی کیوں کہ ایسی تعلیمات کسی بھی الہامی کتاب کا حصہ نہیں ہو سکتیں۔

حصہ دوم: مطالعۂ ادیان کے قرآنی اصول

قرآن مجید اس دنیاے رنگ و بو میں مطالعۂ مذاہب کی سب سے پہلی اور جامع ترین کتاب ہے جس نے مطالعۂ ادیان کے وہ بہترین اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر عصرحاضر میں بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور ادیان و مذاہب کے حوالے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں انھیں دور کیا جا سکتا ہے۔ایک مقالہ نگار نے اس حوالے سے اپنے مقالے میں بڑی خوب صورت بات کی ہے: ”تقابل ادیان کے اسلوب اور طریقۂ کار کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن پاک نے رائج الوقت مذاہب کے باطل اور فاسد عقائد کا ذکر کرکے ان کے غلط نظریات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا اور یہ باور کرایا کہ ان مذاہب کی اصل تعلیمات حق، سچ اور توحید پر مبنی تھیں مگر ان کے معتقدین نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان باطل عقائد کو محلول(خلط ملط) کیا۔“[۵۳] مطالعۂ ادیان کے حوالے سے قران مجید کے چند اہم ترین اصول مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ توحید پر نسل انسانی کا اتحاد اوراس کی افادیت

قرآن مجید نے سب سے پہلے توحید کے طرف دعوت دی ہے اور انسانوں کو اس کی تاریخ بھی بتائی ہے۔﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾[۵۴](اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے۔ پھر جدا جدا ہو گئے۔ اور اگر ایک بات جو تمھارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔)

اس کے بعد قرآن مجید نے تمام انسانوں کو ان کی اصل کی طرف دعوت دی ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

۵۳۔ سعاد محمد عباس، **مولانا گیلانی کا منہج مطالعۂ ادیان اور نقطۂ نظر** (غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی اسلامیات، نمل، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء)،۸۱۔

۵۴۔ القرآن،۱۰: ۱۹۔

﴿اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ﴾ [۵۵] (کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ: وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

۲۔ نبوّت ورسالت کا جامع تصور

قرآن مجید کا دوسرا اہم ترین اصول "نبوت و رسالت کا جامع ترین تصور" ہے۔ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ مختلف ادوار میں جو نبی اور رسول آئے ہیں، ان سب کی تعلیمات سچی تھیں، اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی سچی تعلیمات کی حامل تھیں۔ لہٰذا ان سب پر ایمان لایا جائے اور ان کو تسلیم کیا جائے۔

﴿وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ﴾ [۵۶] (اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی نازل نہیں ہوئی۔ سو (اے محمد ﷺ) تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لیے رہ نما ہوا کرتا ہے۔)

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم یہ حکم بھی دیتا ہے کہ مختلف ادوار میں جو الہامی کتب، وحی اور صحائف نازل ہوتے رہے وہ سچے اور برحق ہیں لہٰذا ان پر ایمان لایا جائے، اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے۔ ﴿اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۚ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ﴾ [۵۷] (رسول ﷺ اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے)

۵۵۔ القرآن، ۳: ۶۴۔

۵۶۔ القرآن، ۱۳: ۷۔

۵۷۔ القرآن، ۲: ۲۸۵۔

عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

انبیاعلیہم السلام میں فرق نہ کرنے کی بنیادی وجہ ان کی دعوت ایک تھی؛ یہی قدر مشترک ان پر ایمان لانے کی وجہ ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾[۵۸] (اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔)

جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشترک دعوت اور تعلق کے بارے میں فرمایا: "الأَنْبياءُ إخوة لعَلَّاتٍ؛ أُمَّهاتُهُمْ شَتَّى، ودِينُهُمْ واحِدٌ"[۵۹] (انبیا آپس میں بھائی ہیں، اگرچہ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔)

یعنی اسلام نبوت کا جامع اور خوب صورت تصور پیش کرتا ہے جو کہ باقی ادیان میں نہیں پایا جاتا۔ مثال کے طور پر یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے اور مسیحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے؛ جب کہ مسلمان تمام نبیوں اور الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس مشترکہ تعلق کی بنیاد پر تمام سماوی ادیان کے پیروکاروں کو اُن ادیان میں آنے والے پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا احترام کرنا چاہیے۔

۳- الہامی کتب میں تحریف و تبدیلی

قرآن مجید میں ادیان عالم، بالخصوص یہودیت اور مسیحیت کے بارے میں بیان کردہ ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مختلف کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے اپنی ہواے نفس کی خاطر جو تحریف کی ہے ان تمام تحریفات کو واضح کیا جائے تاکہ اصل تعلیمات تک پہنچا جائے اور مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات بیان کیے

۵۸- القرآن، ۱۶: ۳۶۔

۵۹- بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی : واذكر في الكتب مريم إذا انتبذت من أهلها، رقم: ۳۴۴۳۔

جائیں۔ قرآن کریم نے اہمیت کے باعث اس موضوع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہود کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [۶۰] (اور یہ جو یہودی ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور سنیے نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفت گو کے وقت) راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اسمع اور (راعنا کی جگہ) انظرنا (کہتے) تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن خدا نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔)

جب کہ نصاریٰ کے بارے میں قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ [۶۱] (تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے، تاکہ اس کے عوض تھوڑی سے قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔)

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ تورات، انجیل، زبور اور دیگر الہامی صحائف بھی کلام اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اِن تمام الہامی کتب کا نزول اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پر کیا، لیکن قرآن کریم کی طرح اُن کتب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں اٹھایا۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں مرورِ زمانہ کے ساتھ تحریف و تبدیلی ہو چکی ہے اور اب وہ اپنی اصل زبان اور مکمل تعلیمات کے ساتھ موجود نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مسلمان اُن کتب کے اللہ کا کلام ہونے سے انکار نہیں کرتے؛ یہ ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ جو کتبِ ساویہ کا انکار کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی وحی کا انکاری ہے۔

۶۰- القرآن، ۴: ۴۶۔

۶۱- القرآن، ۲: ۷۹۔

۴۔ مکمل مذہبی آزادی کا اصول

قرآن مجید کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک "دوسروں کو مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ جینے کا حق" دینا ہے۔یعنی دین اختیار کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے۔مسلم ریاست میں غیر مسلم بھی اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں ۔ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: ﴿ **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ** ﴾[۶۲] (دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گم راہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔)

دین کے معاملے میں جبر کرنے پر سخت منع کیا گیا ہے ،یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ کسی کو سختی کے ساتھ دین کی طرف راغب نہیں کر سکتے۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "لا تكرهوا أحدا على الدخول في دين الإسلام، فإنه بيّن واضح جليّ دلائله وبراهينه، لايحتاج إلى أن يكره أحد على الدخول فيه بل من هداه الله الإسلام و شرح صدره و نور بصيرته، دخل فيه على بنية."[۶۳] ((یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ) کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو، اسلام کی حقانیت واضح و روشن ہو چکی ہیں، اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں۔پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت چاہے ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہو گا، دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی، وہ تو خود بہ خود اس کی طرف کھنچا آئے گا۔)

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے اہل الذمہ[۶۴] کی حفاظت کے بارے میں فرمایا: "مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا."[۶۵] (جس نے کسی ذمی کو

۶۲۔ القرآن، ۲: ۲۵۶۔

۶۳۔ عمادالدین اسماعیل ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۳ء)، ۱: ۳۱۲۔

۶۴۔ **اہل الذمہ:** " کلاسیکل اسلامی اصطلاح کے مطابق اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ذمی یا اہل الذمہ وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے معنی "عہد، ضمان اور امان" ہے۔ یہ نام انھیں اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا اللہ اور رسول کے ساتھ

(ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ حالاں کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جا سکتی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اقلیتوں کو مذہبی آزادی دینے کے لیے "میثاق مدینہ" کو ترتیب دیا تھا، جس کی ایک بنیادی شق کا مقصود یہود کو مکمل مذہبی آزادی دینا تھا: "وإنَّ يهود بني عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وأنفسهم، إلا من ظلم وأثم." [۶۶] (یہود بنی عوف اور ان کے حلفا و موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کار بند رہیں گے۔ مگر وہ جس نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔)

اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ ایلیا کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، وہ دستاویز اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے لیے مذہبی آزادی کے آئین کی حیثیت رکھتی ہے: "هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير المؤمنين أهل إيلياء من الأمان، أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم ولكنائسهم وصلبانهم، وسقيمها وبريئها وسائر ملتها، أنه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها، ولا من صليبهم، ولا من شيء من أموالهم، ولا يكرهون على دينهم، ولا يضار أحد منهم، ولا يسكن بإيلياء معهم أحد من اليهود. [۶۷] (یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر بن الخطاب امیر المؤمنین نے ایلیا والوں کو دی ہے۔ ان کی جانوں، ان کے اموال، ان کے کلیساؤں،

عہد ہوتا ہے، رہی بات مسلم جماعت کے عہد کی تو وہ اسلام کی حمایت (اسلام کی حفاظت میں)، مسلمانوں کے زیر سایہ امن اور اطمینان سے زندگی گزاریں گے، وہ مسلمانوں کے امان اور ضمان میں رہیں گے، ان کے اور مسلم ریاست کے درمیان عقد اسی ذمہ کی بنا پر ہے"۔(دیکھیے: عبد الکریم زیدان، **أحكام الذميين والمستأمنين** (دار القدس: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۹ء)، ۴۵۴۔

۶۵- بخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب الجزية، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، رقم:۳۱۶۶۔

۶۶- ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السيرة النبوية**، تحقیق: عمر عبد السلام تدمری (قاہرہ: دار الكتب العربي، ۱۹۹۰ء)، ۱: ۳۱۵۔

۶۷- محمد بن جریر الطبری، **تاريخ الطبری: تاريخ الرسل و الملوک**، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم (قاہرہ: دار المعارف، س ن)، ۳: ۶۰۹۔

ان کی صلیبوں اور ان کی ساری ملت کو امان دی گئی ہے۔ ان کے گرجوں میں کوئی نہیں رہے گا اور نہ ہی انھیں گرایا جائے گا، نہ ہی ان میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کے احاطوں کو سکیڑا جائے گا، اور نہ ان کی صلیبوں میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے اموال میں کمی کی جائے گی اور کسی کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، اور نہ کسی کو تکلیف پہنچائی جائے گی اور نہ ان کے ساتھ (جبرًا) یہودیوں میں سے کسی کو ٹھہرایا جائے گا۔)

اسلامی روایات میں مذہبی آزادی کا اصول اتنا پختہ ہے کہ زبردستی مسلمان بنانا اسلامی ریاست یا معاشرے میں قابل قبول نہیں یہاں تک کہ اس شخص کی اپنی مرضی سے اسلام لانے کی تصدیق غیر جانب دار ذرائع سے ہو جائے ۔ جلیل القدر حنبلی فقیہ امام ابن قدامہ مقدسی نے اس تاریخی فتوے کا یوں ذکر کیا ہے:

وَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ لَا يَجُوزُ إِكْرَاهُهُ،...فَأَسْلَمَ، لَمْ يَثْبُتْ لَهُ حُكْمُ الْإِسْلَامِ، حَتَّى يُوجَدَ مِنْهُ مَا يَدُلُّ عَلَى إِسْلَامِهِ طَوْعًا... فَإِنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْكُفَّارِ. وَإِنْ رَجَعَ إِلَى دِينِ الْكُفْرِ، لَمْ يَجُزْ قَتْلُهُ...[۶۸]

([اسلام میں] اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زبردستی کسی کافر کو مسلمان بنایا جائے جب وہ مسلمان ہونے کو ناپسند کرے۔ (ایسی حالت میں) اگر کوئی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنا لیتا ہے تو اسے اس وقت تک مسلمان شمار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ غیر جانب دار اور مصدقہ ذرائع سے اس بات کی تصدیق نہ ہو جائے کہ اس نے خود اپنی رضامندی سے اسلام قبول کیا ہے (یا پھر کسی دباؤ کی وجہ سے)... اور اگر وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر کرنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ غیر مسلم ہی شمار کیا جائے گا۔ اور اگر وہ (اس دوران) اپنے آبائی دین کی طرف پھر جائے تو اسے (ارتداد میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔)

معروف مغربی مستشرق فلپ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitti) بھی اپنی معروف کتاب *History of theArabs* میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں:

> [T]hey (non-Muslims) were allowed the jurisdiction of their own canon laws as administered by the respective heads of their religious communities. This state of partial autonomy, recognized later by the Sultans of Turkey, has been retained by the Arab successor states.[69]

(غیر مسلموں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی کمیونٹی کے سربراہوں کے نظام کے تحت، اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے معاملات چلائیں۔ یہ جزوی خود مختاری، جسے بعد ازاں ترک سلاطین نے بھی تسلیم کیا، عرب جانشین ریاستوں نے بھی

۶۸– احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی، **المغني الكبير** (مصر: مكتبة القاهرة، ۱۹۸۷ء)، ۸: ۱۴۴۔

69– Philip K Hitti, *History of the Arabs* (London: MacMillan & Co., 1937), 170.

برقرار رکھا ہے۔)

عصرِ حاضر کے معروف اسلامی سکالر شیخ یوسف القرضاوی نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و فرائض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اسلام کی جانب سے ذمیوں کو عطا کردہ حقوق میں آزادی کا حق بھی شامل ہے۔ ذمیوں کو جو آزادیاں دی گئی ہیں ان میں سرِ فہرست اعتقاد و عبادات کی آزادی ہے۔ کسی بھی دین و مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص اپنے عقیدہ پر کاربند رہ سکتا ہے اور اسے اپنا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔(۷۰)

اس کے علاوہ موجودہ دور کے ایک معروف مغربی سکالر جان اینڈریو مورو (John Andrew Morrow) نے ایسے بہت سے معاہدات کو اپنی ایک کتاب (۷۱) میں جمع کر دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین نے مختلف اوقات میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کیے تھے۔

۵- دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے کے اصول

قرآن مجید نے دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے اور مباحثے کے کچھ بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں؛ اِن اصول و ضوابط سے آگاہی بھی مطالعۂ ادیان کا حصہ ہے جن کی طرف قرآن مجید نے رہ نمائی فرمائی ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی ان کے اختیار کرنے سے دیگر مذاہب اور معاشروں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾(۷۲) ([اے پیغمبر] لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا تمھارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔)

قرآن کریم نے اہل کتاب کو مزید گنجائش دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ بات

۷۰- یوسف القرضاوی، **اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض**، ترجمہ: قیصر شہزاد (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۱ء)، ۲۱۔

71- John Andrew Morrow, *The Covenants of the Prophet Muhammad with the Christians of the World* (Brooklyn, Ny: Angelico Press, 2013), 21.

۷۲- القرآن، ۱۶: ۱۲۵۔

چیت میں جھگڑا مت کرو۔ ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ (۷۳)
(اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (اُن کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو)۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر **معالم التنزیل** میں پہلی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھاہے: "ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ یعنی ان کو قرآن کے ساتھ بلاؤ اور وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سے مراد ان کو مواعظ قرآن کے ساتھ بلاؤ اور کہا جاتا ہے کہ موعظہ حسنہ سے مراد ان کو اللہ کی طرف ترغیب اور ترہیب کے ساتھ بلانا ہے۔ اور اسی طرح کہا گیا ہے کہ موعظہ حسنہ سے مراد قول لین ہے جو کہ طعن و تشنیع اور سختی کے بغیر ہو۔ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سے مراد ان کے ساتھ ایسے طریقے سے مجادلہ و مناظرہ کرنا ہے جو کہ بہترین ہو۔ یعنی ان کو تکلیف دینے سے بچاناہے۔اور ان کو حق کی طرف بلانے اور پیغام حق پہنچانے میں کمی نہیں کرنی۔" (۷۴)

مولانا مودودی دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بین المذاہب خطاب میں "مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ، مہذب و شائستہ زبان میں، اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے۔"(۷۵)

یہ آیات نہ صرف عام بات چیت کے لیے ہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے میں بھی اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کے ساتھ باہمی رواداری، پُرامن بقاے باہمی اور مثبت مکالمے کے فروغ کے لیے ان ہدایات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

۶- کلمة سواء یعنی قدر مشترک کی طرف بلانا

قرآن مجید نے ایک اور خوب صورت اصول یہ دیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مشترکہ امور کی طرف دعوت دو ،ایسے معاملات اور اقدار کی طرف بلاؤ جو تیزی سے ہم آہنگی پیدا کرتے ہوں۔اس

۷۳- القرآن، ۲۹: ۴۶۔

۷۴- ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، **معالم التنزیل**، تحقیق: عبد اللہ بن احمد بن علی الزید (ریاض: دارالسلام للنشر و التوزیع، ۱۴۱۶ھ)، ۵۱۸۔

۷۵- سید ابو الاعلیٰ مودودی، ***تفہیم القرآن***(لاہور:ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۳ء)، ۲: ۵۷۱۔

طرح بات چیت کا آغاز کرنے اور جلد کسی نتیجے پر پہنچنے میں آسانی رہتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [۷۶](کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان مشترک ہے، اس کی طرف آؤ؛ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (ﷺ) سے فرمایا ہے کہ آپ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دیجیے کہ تعالوا إلٰی کلمة سواء بیننا و بینکم (ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے) یعنی ایسی مشترکہ بات کی طرف آؤ کہ ہم اس کی بنیاد پر متحد ہوجائیں۔ اس سے مراد وہ بات ہے جس پر تمام انبیا و رسل کا اتفاق ہے، جس کی مخالفت سوائے گم راہ اور ضدی لوگوں کے کسی نے نہیں کی اور وہ بات فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ اختلاف کے موقع پر انصاف والی بات ہے۔

علما و مفسرین نے (کلمة سواء) کے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں، انھی میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”(کلمة سواء) کا معنی عدل و انصاف ہے... یعنی تم اسے قبول کرو جس کی طرف تمھیں دعوت دی گئی ہے۔ اور وہی کلمہ عادلہ و مستقیمہ ہے جس میں حق سے کہیں ذرا بھی دوری نہیں۔“ [۷۷]

امام سیوطی، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”اس سے مراد لا إله إلا الله ہے۔“[۷۸]

جب کہ معاصرین میں سے مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے میں یہ آیت مبارکہ اہل کتاب کو دعوت دینے کے لیے اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل قیصر روم کو

۷۶- القرآن، ۳: ۶۴۔

۷۷- محمد بن احمد قرطبی، **الجامع لأحکام القرآن** (بیروت :مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۶ء)، ۴: ۱۰۵۔

۷۸- عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی، **الدرّ المنثور** (لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۱۳۵۔

دعوت دینے کے لیے اسی آیت کو اپنے خط مبارک میں لکھا تھا۔[۷۹]

حافظ عبد السلام بھٹوی لکھتے ہیں: "اس آیت میں اہل کتاب کو تین مشترکہ باتوں کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔"[۸۰]

مولا نا امین احسن اصلاحی کے مطابق ان کی رائے میں کلمة سواء سے مراد وہ مرکز ہے جو کہ دو افراد اور جماعتوں میں برابر ہے۔ان کی رائے میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ایک ایسی بات کی طرف دعوت دی ہے جو کہ اِن میں اور مسلمانوں میں معروف ہے، یعنی توحید۔[۸۱]

ان تفاسیر کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ ہماری رہ نمائی کرتی ہے کہ جب ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑے جن کا مذہب ہم سے مختلف ہو تو ہم انھیں ایسی باتوں کی طرف بلائیں جو ہم میں اور ان میں برابر اور مشترک ہیں۔یہ پہلی مشترک بات توحید سے شروع ہوگی اور اس میں امن و امان ، تعلیم و تعلم، رواداری، مذہبی ہم آہنگی، اور ملکی تعمیر و ترقی سب کچھ شامل ہوگا۔ لیکن یہ بات قابل توجہ رہے کہ اس میں دین و مذہب کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے۔

۷- باہمی احترام اور مذہبی رواداری

قرآن کریم میں مطالعۂ مذاہب کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دوسروں کے مذاہب کو برا بھلا نہیں کہنا، بلکہ ان کو پورا احترام دینا ہے۔ قرآن پاک نے مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ﴾[۸۲] (اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر نہایت اچھے طریق سے۔ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (اُن کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو)۔)

مولانا مودودی کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کے پیروکاروں کو یہ نصیحت کی گئی ہے

۷۹- مولانا غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن** (لاہور: فرید بک ڈپو، ۱۹۹۵)، ۲: ۸۷۔

۸۰- حافظ عبد السلام بھٹوی، **تفسیر القرآن الکریم** (لاہور: دار الاندلس، ۲۰۱۴ء)، ۱: ۲۶۵۔

۸۱- مولانا امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء)، ۲: ۱۱۲۔

۸۲- القرآن، ۲۹: ۴۶۔

کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ دوسروں کے عقیدے پر سخت حملے شروع کر دیں، اور نوبت ان کے معبودوں کو گالی دینے تک پہنچ جائے؛ کیوں کہ یہ چیز ان کو حق کے قریب لانے کے بجائے انھیں حق سے دور کر دے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

> بحث مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ مہذب اور شائستہ زبان میں اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے، اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفا یاب ہو جائے۔ یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہلِ کتاب سے مباحثہ کے معاملہ میں دی گئی ہے، مگر یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ [۸۳]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ [۸۴] (اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (ان کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں۔ پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر **ضیاء القرآن** میں اس کی بڑی پر حکمت توضیح کی ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت کرنا مقصود ہے تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری ستائش اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ واشاعت کے جوش میں وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی دعوت مقصود ہے تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انھیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمھارے معبودِ برحق

۸۳- ***تفہیم القرآن***، ۳: ۷۰۸۔

۸۴- القرآن، ٦: ۱۰۸۔

کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں۔ [۸۵]

اسی طرح مولانا شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کم زوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دل خراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی بھی وقت جائز نہیں رکھا۔“[۸۶]

یعنی یہ آیات ہمیں مذہبی رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کا درس دیتی ہیں۔ یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ ایک مذہب کی تعلیمات کو سچا ثابت کرنے کے لیے دوسروں کی تعلیمات کو بغیر ثبوت کے اور تعصب کی وجہ سے غلط ثابت کیا جائے۔ شیخ احمد دیدات لکھتے ہیں: ”یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مذہب میں حق و صداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان جہاں کہیں بھی موجود ہے، اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صرف کیا جائے۔“[۸۷]

قرآن مجید کا یہ اصول عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی اور مذہبی رواداری پیدا کرنے میں نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت دوگنا ہو جاتی ہے جب کہ مذہبی اور مسلکی جھگڑوں نے امن عالم کو تباہ کر رکھا ہے۔

۸- قرآن مجید بہ طور نگہبان

قرآن مجید نے ایک اصول یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہونے کی حیثیت سے یہ باقی کتابوں پر نگران اور وکیل ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو کئی جگہوں پر مختلف انداز اور طرق سے بیان کیا ہے۔ ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ﴾[۸۸] (اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق

۸۵- پیر محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۱: ۵۹۰۔

۸۶- مولانا شبیر احمد عثمانی، **تفسیر عثمانی** (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۰ء)، ۱: ۴۴۴۔

۸۷- شیخ احمد دیدات، **یہودیت، عیسائیت اور اسلام**، ترجمہ: مصباح اکرم (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)، ۲۹۔

۸۸- القرآن، ۵: ۴۸۔

کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمھارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔)

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی یوں تعبیر کی ہے: ''تورات و انجیل کی ثناوصفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن مجید کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق و صداقت کے ساتھ نازل کیا ہے۔ یہ بالیقین رب واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے یہ تمام اگلی اللہ کی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی، پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔''[۸۹]

قرآن مجید وحیِ الٰہی کا آخری، جامع اور کامل ایڈیشن ہے۔ یہ ایک محفوظ ترین کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ قرآن مجید کی آیات ، رسول للہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اور تاریخی حقائق اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[۹۰] (بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔)

مطالعۂ مذاہب کے حوالے سے اوپر دی گئی آیت سے ہمیں مندرجہ ذیل امور سمجھ آتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید پہلی کتابوں پر گواہ، نگران اور امین ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے پہلی کتابوں کی تصدیق کی ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید پہلی کتابوں میں سے جس چیز کی تصدیق کرے گا، مسلمان بھی اس کی لازمی تصدیق کریں گے۔

۴۔ قرآن مجید جس کی تردید کرے گا، اس کی تردید لازم ہے، کیوں کہ قرآن مجید کے مطابق پہلی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے۔

۵۔ قرآن مجید جس بات پر خاموشی اختیار کرے گا، مسلمان بھی اس پر خاموش رہیں گے یہاں تک کہ باقی قرائن سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا: آمنا بالله وما أنزل إلينا.''[۹۱]

۸۹۔ عمادالدین ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ترجمہ، مولانا محمد جوناگڑھی (لاہور: مکتبہ قدوسیہ،۱۹۹۸)،۲: ۸۱۔

۹۰۔ القرآن،۱۵: ۹۔

۹۱۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیرالقرآن، باب قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا، ۵۶۲،رقم: ۳۳۸۷۔

(اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔"

۹- دین بہ طورِ مکمل ضابطہ حیات

قرآن مجید دین کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ مروجہ مذاہب سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ قرآن کریم کا پیش کردہ تصورِ دین کوئی ادھورا یا رسم و رواج پر مبنی چند عبادات تک محدود نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اسلام کو بہ طور مکمل ضابطہ حیات کے پیش کیا ہے۔﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾[۹۲](دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص خدا کی آیتوں کو نہ مانے تو خدا جلد حساب لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: "قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ ؟ قَالَ : الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ."[۹۳] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور سہولت آمیز دینِ حنیف ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جامعیت ، با کمال خوبیوں، عالم گیر اور جامع تعلیمات کی بہ دولت اسے پسندیدگی اور تکمیل کا شرف بخشا ہے: ﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾[۹۴] (آج کافر تمھارے دین سے نا امید ہو گئے ہیں تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو (اور) آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی

۹۲- القرآن،۳: ۱۹۔

۹۳- احمد بن محمد بن حنبل، المسند، مسند عبداللہ بن عباس (بیروت:مؤسسة الرسالة،۲۰۰۱ء)، رقم: ۲۱۰۷۔

۹۴- القرآن، ۵: ۳۔

نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بہ شرطے کہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام پر مکمل عمل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اہل ایمان کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾[۹۵] (تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔)

آخر میں قرآن مجید نے دین اسلام کو امن وسلامتی کا قلعہ قرار دیتے ہوئے اس میں داخل ہو کر محفوظ ہونے کا حکم دیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[۹۶] (مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمھارا صریح دشمن ہے۔)

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مطالعۂ مذاہب کے دوران انسان ایک کامل دین کا تصور ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھے تاکہ اس کے پیشِ نظر رہے کہ دین محض عقائد و عبادات اور شعائر و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک فعال نظریۂ حیات اور مکمل فکر و فلسفۂ حیات ہے جو انسانوں کی زندگی کے ہر معاملے میں رہ نمائی کرتا ہے۔

۱۰- غیر جانب داری

قرآن مجید سے مطالعۂ مذاہب کے حوالے سے ایک اور اصول کی طرف رہ نمائی ملتی ہے، اور وہ ہے غیر جانب داری۔ قرآن مجید جہاں مختلف مذاہب میں پیدا ہونے والی تحریف و تبدیلی کو آشکارا کرتا ہے وہیں ان ادیان کی خوبیاں اور محاسن بھی گنواتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج کے دور میں مذاہب کا غیر جانب دار جائزہ لینا اور تقابل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے، کیوں کہ ہر آدمی کسی نہ کسی فکر یا مذہب کے ساتھ منسلک ہے مگر ادیان کا مطالعہ اور تقابل کرتے وقت حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ غیر

۹۵- القرآن، ۳۳: ۲۱۔

۹۶- القرآن، ۲: ۲۰۸

جانب دار رہا جائے، تاکہ کسی بھی مذہب کے اچھے اور برے ہر دو پہلوؤں کو دیکھا جاسکے۔ قرآن مجید نے اس پہلو پر بھی توجہ کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾[۹۷] (جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست، (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔)

اسی طرح مطالعۂ ادیان کے لیے غیر متعصب ہونا بھی لازمی شرط ہے۔ اس لیے کسی بھی غالی یا متشدد عالم، جو کہ دوسرے دین کے بارے میں شدت رکھتا ہو، کی تصنیفات سے اس کے اپنے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کی خوبیاں ظاہر نہیں ہو سکیں گی۔ اس لیے تعصب کی عینک اتار کر کھلے دل و دماغ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح عدم تنفّر بھی مطالعۂ ادیان کے لیے لازمی اصول ہے۔ کسی مذہب کی تعلیمات کو کسی خاص نظریے سے نہیں بلکہ وہ مذہب خود اپنے آپ کو کیسے دیکھتا ہے، دیکھنا چاہیے، اور پھر اس کے دلائل کو پرکھنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہ حق ہے یا باطل۔ کسی بھی مذہب سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ ایک محقق جب کسی مذہب کی تعلیمات سے نفرت کرے گا تو وہ غیر جانب دار نہیں رہ سکے گا۔

۱۱۔ اثبات حق اور قیام حجت

قرآن مجید کے اصول مطالعۂ ادیان کا ایک پہلو اثبات حق اور قیام دلیل ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو مختلف جگہوں پر بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾[۹۸] (وہی تو ہے (اللہ) جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور حق ظاہر کرنے کے لیے خدا ہی کافی ہے۔)

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حق ہمیشہ دلائل کے میدان میں غالب رہا ہے اور کسی دور میں

۹۷۔ القرآن، ۲: ۶۲۔

۹۸۔ القرآن، ۴۸: ۲۸۔

بھی حق کو کوئی زیر نہیں کرسکا کیوں کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین ایک دل چسپ مناظرے کا ذکر کیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۹۹)

(بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے، (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا اور خدا بےانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔)

قرآن مجید کے مطالعۂ ادیان کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دوسروں پر حجت قائم کی جائے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (۱۰۰) (اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا، بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

ان تمام دلائل کا مقصد یہ ہے کہ جو بھی کسی فکر و فلسفے پر قائم رہے وہ حق کے ساتھ اوراس کی دلیل کے ساتھ قائم رہے۔ یعنی قرآن مجید وہ دلائل لے کر آتا ہے جن کا توڑ ممکن نہیں۔ لہٰذا اس سے انسانوں پر اتمام حجت قائم کرنا ایک بنیادی مقصد ہے، کیوں کہ قرآن مجید یہ بتاتاہے کہ ہر فرقہ اپنے فکر و فلسفے پر خوش اور قائم ہے اور اسے ہی حق جانتا ہے: ﴿فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ (۱۰۱) (تو پھر آپس میں اپنے کام کو متفرق کرکے جدا جدا کردیا۔ جو چیزیں جس فرقے کے پاس ہیں وہ اس سے خوش ہو رہا ہے۔)

۹۹- القرآن،۲: ۲۵۸۔

۱۰۰- القرآن، ۵: ۶۷۔

۱۰۱- القرآن، ۲۳: ۵۳۔

جب کہ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ درست اور صحیح ایک معیار ہے جسے حق کے طور پر جانا جاتا ہے، تو جو جس بھی فکر و فلسفے پر قائم ہے اس کے پاس حق کی دلیل ہونی چاہیے: ﴿وَلٰكِنۡ لِّيَقۡضِيَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ۬ لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ﴾ (۱۰۲) (لیکن خدا کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ خدا سنتا جانتا ہے۔)

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر فیصلہ کرے گا کہ کون سا فریق حق پر قائم تھا اور کس کس نے حق کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ لہٰذا جو کوئی دنیا میں کسی بات کو حق سمجھتا ہے اس کے پاس اس کی واضح دلیل ہونی چاہیے اور جو دنیا سے جاکر اللہ کے پاس پہنچے اس کے پاس بھی واضح اور سچی دلیل ہونی چاہیے۔

۱۲۔ تلاشِ حق

قرآن مجید کا مطالعۂ ادیان کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ حق کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق اس کے علاوہ اور کہیں نہیں تو وہ نہ صرف حق پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے مذہب اور اپنے اوپر بھی ظلم کرتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حق کی روشنی تھوڑی یا زیادہ ہر جگہ موجود ہوتی ہے، بس اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ جب اہل علم یہ مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب حق کا مظہر کامل ہوتا ہے، جب کہ دوسرے مذہب میں یا تو تحریف ہوچکی ہوتی ہے یا پھر اس کے ماننے والے حق سے دور ہو چکے ہوتے ہیں۔ قرآن اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے۔ ﴿لِيُحِقَّ الۡحَقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾ (۱۰۳) (تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کردے، گو کہ مشرک ناخوش ہی ہوں۔)

یہ بات بھی قابل غور ہے اکہ یہ مذہب کی تعلیمات کو حق ثابت کرنے کے لیے ضروری

۱۰۲۔ القرآن، ۸: ۴۲۔

۱۰۳۔ القرآن، ۸: ۸

نہیں کہ دوسرے مذہب کی تعلیمات کو کلیتاً غلط ثابت کیا جائے بلکہ الحق ایسی کلی ہے جس کے جواہر کہیں بھی ہو سکتے ہیں، اور مطالعۂ ادیان میں اس حق کو ثابت کرنا ہوتا ہے تاکہ پورا حق سامنے آجائے جہاں کہیں بھی موجود ہو۔ اس مثال کو قرآن مجید کی آیت مباہلہ سے اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اہل کتاب سے توحید کے مشترکہ نکتے پر بات چیت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾[۱۰۴] (کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے، اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اہل کتاب سے مشترکہ نکات پر بات چیت کی جائے۔ یہ مشترکہ نکتہ یقیناً عقیدۂ توحید ہے جس کی وضاحت خود اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔ مفتی محمد شفیع نے **معارف القرآن** میں اس آیت کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

> اس آیت سے تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کاخواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ پر دی، جس پر دونوں کا اتفاق تھا۔[۱۰۵]

غور طلب بات یہ ہے کہ اب ان اہلِ کتاب کے ساتھ مشترکہ امور و معاملات کیسے معلوم کیے جائیں؟ ان مشترکہ امور کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس دو ممکنہ ذرائع ہو سکتے ہیں۔ یا تو ہم ان مذاہب کے ماننے والوں کے موجودہ عمل کو دیکھیں گے یا پھر ان کی مقدس کتب کی طرف رجوع کریں گے۔ اگر ہم اہل کتاب کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مسیحیت میں

۱۰۴- القرآن، ۳: ۶۴۔

۱۰۵- مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (کراچی: مکتبۃ المعارف، ۲۰۰۳ء)، ۲: ۸۷۔

توحید کا کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے۔ تثلیث کی موجودگی مشترکہ عقائد کو ثابت نہیں کرتی۔ موجودہ مسیحیوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصولی طور پر ان کے موجودہ عقائد ان کی مقدس کتب اورالہامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ مشترکہ عقائد ان کی مقدس کتابوں کے مطالعے سے ہی معلوم ہوں گے تاکہ ان سے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات چیت کی جاسکے۔

نتائج و سفارشات

اس تحقیقی مقالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید مطالعۂ ادیان کی سب سے پہلی بنیادی کتاب ہے اور مسلمان اس علم کے حقیقی بانی اور موجد ہیں۔ مسلمانوں کی اس علم میں دل چسپی کی بنیادی وجہ قرآن مجید کی وہ تعلیمات اور تجزیہ ہے جو وہ دوسرے ادیان اور افکار کے بارے میں جگہ جگہ پر کرتا ہے۔ مسلمانوں کی اس علم میں دل چسپی کی دوسری اہم ترین وجہ دعوت دین ہے، کیوں کہ قرآن مجید نے دوسری قوموں کو دعوت دینے کے لیے انھیں کلمۃ سواء یعنی توحید اور مشترکہ اقدار کی طرف بلایا ہے۔

مطالعۂ ادیان کے حوالے سے قرآن کریم کا انداز بڑا ہی دل چسپ، عام فہم، شستہ اور تعصب سے پاک ہے۔ قرآن مجید نے چھ سے زائد ادیان و مذاہب (مشرک، یہود، نصاریٰ، مجوس، صابئین، اور اسلام) کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ طریقۂ کار ہے کو دوسرے مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں، دونوں کو زیر بحث لایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کا یہ بھی اسلوب ہے کہ وہ خوبیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جب کہ خامیوں اور غلط عقائد کو دلائل اور براہین کے ساتھ رد کرتا ہے اور ان لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔

قرآن مجید کے تقابلی اصولوں میں ایک اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ یہ دوسرے مذاہب کو مکمل مذہبی آزادی دیتا ہے یعنی بالجبر کسی پر اپنا دین اور نظریہ مسلط کرنے کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مختلف مذاہب کو ان کی مذہبی رسومات کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید مذہبی رواداری، حسن سلوک، ہم آہنگی اور تکثیری معاشرے میں پرامن بقاے باہمی کو فروغ دیتا ہے۔ قرآن مجید اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ پرامن بقاے باہمی اور مذہبی افہام و تفہیم کے لیے علمی مذاکرے اور مباحثے کی روایت کو جاری رہنا چاہیے جیسا کہ سورہ آل عمران میں نجران کے

عیسائیوں کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی کلمۃ سواء کی طرف بلایا تھا۔ اور ان کے انکار کی صورت میں ایک پرامن معاہدہ اور اچھے تعلقات کی بنیاد پڑی تھی۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کی بین المذاہب تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں اور غیر مسلم اداروں اور ملکوں کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاملات طے کیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ کم از کم گریجویشن کی سطح تک قرآن مجید کی بین الادیان تعلیمات کو سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں بہ طور نصاب پڑھایا جائے۔ اسی طرح سے یہ سفارش بھی کی جاتی ہے کہ اعلیٰ ڈگری کلاسز میں جہاں پر تقابل ادیان کا کورس بہ طور لازمی مضمون پڑھایا جاتا ہے،وہاں قرآن مجید کے منہجِ مطالعۂ ادیان کو فروغ دینے کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے جائیں، اور اس حوالے سے ادیان میں تخصّص کی روایت کو جاری کیا جائے تاکہ طلبا کے درمیان دوسرے ادیان سے متعلق آگاہی اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو سکے، جس سے وطن عزیز میں مذہبی اور معاشرتی رواداری کے ساتھ ساتھ پُر امن معاشرتی فضا بھی قائم ہو سکے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁